ایصالِ ثواب

قرآن وحدیث کی روشنی میں

انجینئر حافظ محمد آصف قادری

اسلام آباد، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

ایصالِ ثواب کا مفہوم:

ایصالِ ثواب کا معنی ہے، ثواب پہنچانا۔ اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے کسی نیک عمل کا ثواب کسی دوسرے مسلمان کو پہنچائے خواہ وہ نیک عمل دعا ہو یا نماز، تلاوتِ قرآن ہو یا روزہ، صدقہ وخیرات ہو یا حج وعمرہ۔ نیز جسے ایصالِ ثواب کیا جارہا ہے خواہ وہ زندہ ہو یا فوت شدہ، اُسے ثواب پہنچتا ہے۔ ایصالِ ثواب صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

ایصالِ ثواب کیسے کیا جائے؟

جب کوئی مسلمان فوت ہوجاتا ہے تو اس کی وفات کے بعد سے ہی اس کے ایصالِ ثواب کے لیے تلاوتِ قرآن، درسِ قرآن، محفلِ میلاد، کلمہ طیبہ اور ذکر واذکار کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے نیز اس کے ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ خیرات بھی کیا جاتا ہے۔ سوئم یا قُل، دسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ ایصالِ ثواب ہی کی مختلف صورتیں ہیں نیز کسی مرحوم کے چہلم تک ہر جمعرات کو قرآن خوانی اور صدقہ پر مبنی ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے جسے عرفِ عام میں ''جمعرات کی فاتحہ'' کہا جاتا ہے۔

ایصالِ ثواب سنت ہے اور مذکورہ تمام صورتیں قرآن وسنت کی روشنی میں بالکل جائز اور مستحب ہیں۔ مذکورہ نام مثلاً سوئم، چہلم اور برسی وغیرہ اگرچہ قرآن وسنت میں مذکور نہیں کیونکہ یہ نام لوگوں نے وقت کے تعین کے لحاظ سے دوسرے لوگوں کی آسانی کے لیے وضع کیے ہیں، اس لیے ان ناموں کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم نے مختلف عنوانات خود سے بنا لیے ہیں اور قرآن وحدیث میں یہ عنوانات مذکور نہیں ہیں مثلاً درسِ قرآن، تبلیغی اجتماع، سیرت کانفرنس، محفلِ حمد و نعت، توحید وسنت کانفرنس، ختمِ بخاری، قرآن خوانی وغیرہ۔

ایصالِ ثواب کی حکمتیں:

یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک مسلمان کی دعا سے دوسرے مسلمانوں کو نفع پہنچتا ہے۔اسی لیے رحمتِ عالم ﷺ نے مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے حق میں دعا کرنے خصوصاً اُن کی غیر موجودگی میں دعا کرنے کی ترغیب دی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقا و مولیٰ ﷺ سے عمرہ کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دے کر فرمایا،

﴿اَشْرِکْنَا یَا اُخَیَّ فِیْ دُعَآئِکَ وَلَا تَنْسَنَا. فَقَالَ کَلِمَۃً مَّا یَسُرُّنِیْ اَنَّ لِیْ بِھَا الدُّنْیَا﴾

''اے بھائی! ہمیں بھی اپنی دعا میں شریک کرنا اور ہمیں نہ بھولنا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مجھے حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر اس قدر خوشی ہوئی کہ کسی اور بات سے نہ ہوئی۔(مشکوٰۃ کتاب الدعوات، ابوداؤد، ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

﴿اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَۃً دَعْوَۃُ غَآئِبٍ لِّغَائِبٍ﴾

''کسی کی غیر موجودگی میں اُس کے لیے کی گئی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے''۔

(مشکوٰۃ کتاب الدعوات، ابوداؤد، ترمذی)

اسلام دینِ فطرت ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کا دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایک تعلق بنایا ہے۔یہ ایسا مضبوط تعلق ہے جو موت کے باوجود ٹوٹتا نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب ہم قبرستان جائیں تو وہاں جا کر قبروں میں مدفون مسلمان مُردوں کو سلام کریں اور ان کے لیے مغفرت مانگیں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

﴿اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ. قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ

الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِهِمْ﴾

دین خیر خواہی ہے۔ہم نے عرض کی، کس کے لیے؟ ارشاد ہوا، اللہ تعالیٰ، اُس کی کتاب، اُس کے رسول اور ائمہ مسلمین کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان)

مسلمانوں کی خیر خواہی اور بھلائی چاہنے کی اُن کے وصال کے بعد یہی صورت ہے کہ اُن کے لیے دعائے مغفرت کی جائے اور ایصالِ ثواب کے ذریعے انہیں فائدہ پہنچایا جائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث قادری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایصالِ ثواب میت کو نفع پہنچانا ہے۔اور فرائض کے بعد اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں کہ مسلمان کو نفع پہنچایا جائے۔دو حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ﴾

''تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو، وہ ضرور اُسے نفع پہنچائے''۔

(صحیح مسلم باب اِسْتِحْبَابِ الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ)

﴿اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى الْمَوْلٰى تَعَالٰى بَعْدَ الْفَرَائِضِ اِدْخَالُ السُّرُوْرِ فِيْ قَلْبِ الْمُسْلِمِ﴾ (مرقاۃ بحوالہ طبرانی)

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرائض کے بعد سب سے پسندیدہ عمل یہ ہے کہ مسلمان کا دل خوش کیا جائے''۔(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۵۹۴)

یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ ایصالِ ثواب سے میت کا دل خوش ہوتا ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ جب ہم کسی مسلمان کے لیے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں تو اس کا اجر دنیا ہی میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ ایک فرشتہ ہمارے لیے بھی مغفرت کی دعا کرتا ہے۔غیب بتانے والے آقا کریم ﷺ کا ارشاد ہے،

﴿دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِیْهِ بِظَهْرِ الْغَیْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَأْسِهٖ مَلَکٌ مُؤَکَّلٌ کُلَّمَا دَعَا لِاَخِیْهِ بِخَیْرٍ قَالَ الْمَلَکُ الْمُؤَکَّلُ بِهٖ اٰمِیْنَ وَلَکَ بِمِثْلٍ﴾

جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لیے اس کی غیرموجودگی میں دعا کرتا ہے تو وہ قبول ہوتی ہے اور اُس دعا کرنے والے کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کردیا جاتا ہے۔ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے جو دعا مانگتا ہے وہ فرشتہ اس پر آمین کہتا ہے اور کہتا ہے، اے اللہ! اسے بھی وہی عطا کر جو یہ اپنے بھائی کے لیے مانگ رہا ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء)

ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا، ﴿مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یَدْعُوْا لِاَخِیْهِ بِظَهْرِ الْغَیْبِ اِلَّا قَالَ الْمَلَکُ وَلَکَ بِمِثْلٍ﴾

''جو مسلمان بھی اپنے بھائی کے لیے اُس کی غیرموجودگی میں دعا کرتا ہے تو ایک فرشتہ کہتا ہے، تجھے بھی اس کی مثل عطا ہو''۔ (صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء)

ایصالِ ثواب، قرآن کی روشنی میں:

سب سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ کسی مسلمان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ایصالِ ثواب ہی کی ایک صورت ہے جو متعدد آیات واحادیث سے ثابت ہے۔ صرف ایک حدیث شریف ملاحظہ کیجیے جس میں یہ بات واضح طور پر بیان ہوئی ہے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے،

﴿مَا الْمَیِّتُ فِی الْقَبْرِ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ کَانَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیُدْخِلُ عَلٰی اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِیَّةَ الْاَحْیَآءِ اِلَی الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ﴾

''قبر میں میت کی حالت ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ بھائی یا دوست کی دعا پہنچنے کی منتظر رہتی ہے۔ پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے، یقیناً مُردوں کے لیے زندوں کا تحفہ دعائے مغفرت ہے''۔ (مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ، شعب الایمان)

اس فرمانِ رسول ﷺ سے ثابت ہوگیا کہ دعائے مغفرت ایصالِ ثواب ہی کی ایک صورت ہے اور اس دعا سے مُردوں کو نفع پہنچتا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اپنے لیے، اپنے والدین اور مسلمانوں کی مغفرت کے لیے یہ دعا قرآن کریم میں مذکور ہے،

﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ﴾

''اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا''۔ (ابراھیم: ۴۱، کنز الایمان)

اپنے لیے، اپنے والدین اور مومنوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا حضرت نوح علیہ السلام کی بھی سنت ہے۔ یہ دعا ملاحظہ فرمایئے۔

﴿رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ مُؤۡمِنًا وَّ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ﴾

''اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو''۔

(نوح: ۲۸، کنز الایمان)

نورِ مجسم ﷺ کے اُمتیوں کی دعا رب تعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں یہ بیان فرمائی۔

﴿وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِھِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡلَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا

بِالۡاِیۡمَانِ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ﴾

''اور وہ جو اُن (مہاجرین وانصار صحابہ) کے بعد آئے، عرض کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بیشک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے''۔ (الحشر: ۱۰، کنزالایمان)

اس آیت مبارکہ سے پچھلی آیات میں مومنوں کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں، ایک مہاجرین صحابہ اور دوسری انصار صحابہ۔ اب اس آیت میں فرمایا گیا کہ تیسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو ان کے بعد ہوئے اور ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ کسی صحابی کے متعلق دل میں کدورت نہ رکھیں اور ان کی مغفرت کے لیے دعا بھی مانگتے رہیں۔

شیخ التفسیر مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں، ''جس کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے بغض یا کدورت ہو اور وہ ان کے لیے دعائے رحمت و اِستغفار نہ کرے، وہ مسلمانوں کی ان تینوں قسموں سے خارج ہے''۔

(تفسیر کبیر، تفسیر خزائن العرفان)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان وہی ہیں جو اپنی مغفرت کے ساتھ اپنے مرحوم مسلمان بھائیوں کی مغفرت کے لیے بھی دعا مانگتے ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''آیت کریمہ ﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ﴾ میں اس امر پر دلیل ہے کہ گذشتہ مسلمانوں کے لیے رحمت کی دعا کرنا اور مغفرت چاہنا، بعد والے مسلمانوں پر واجب ہے، خصوصاً اپنے آباء واجداد کے لیے اور دینی علوم کے اساتذہ کے لیے''۔ (تفسیر روح البیان)

ہر شخص پر عام مسلمانوں سے زیادہ حق اس کے والدین کا ہے پھر دینی اساتذہ کا۔ بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ استاد کا درجہ والدین سے زیادہ ہے کیونکہ والدین سے جسمانی

زندگی وابستہ ہے جبکہ استاد روحانی حیات کا سبب ہے۔اس لیے والدین اور دیگر قریبی عزیزوں کے لیے دعا کرتے وقت اساتذہ کو ہرگز فراموش نہ کیا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾

''(تم اپنے والدین کے لیے دعا کیا کرو) اور کہو،اے رب! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا''۔(بنی اسرائیل:۲۴)

رحمت کی دعا بھی ایصالِ ثواب ہی کی ایک صورت ہے۔تفسیر جمل میں ہے،''اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اولاد اپنے والدین کے لیے رحمت کی دعا کیا کرے۔اگر زیادہ نہیں تو کم از کم دن رات میں پانچ مرتبہ ہی سہی''۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،اس آیت سے ظاہر ہے کہ اولاد کے لیے واجب ہے کہ اپنے والدین کے لیے رحمت کی دعا کیا کریں۔(تفسیر روح المعانی)

والدین کی وفات کے بعد اُن سے حسنِ سلوک یہ ہے کہ اُن کی مغفرت کی دعا کرتا رہے، اُن کے ایصالِ ثواب کے لیے جتنا ہو سکے صدقہ خیرات کرتا رہے، اُن کے احباب و رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے، ہر ہفتہ میں ایک بار اُن کی قبر کی زیارت کرے اور ہو سکے تو سورہ یٰسٓ پڑھ کر اُس کا ثواب ان کو پہنچائے۔

ایصالِ ثواب، احادیث کی روشنی میں:

حق یہی ہے کہ فوت شدہ لوگوں کو مالی و بدنی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے۔اس بارے میں چند احادیث کریمہ ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ اُمُّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی،

﴿اِنَّ اُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاِنِّيْ اَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَلِيَ اَجْرٌ اَنْ اَتَصَدَّقَ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ.﴾

یارسول اللہ ﷺ ! میری والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا، میرا خیال ہے کہ اگر وہ (نزع کے وقت) کلام کرسکتیں تو صدقہ کا کہتیں۔اب اگر میں ان کے لیے صدقہ خیرات کروں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا؟ارشادفرمایا، ہاں !انہیں ثواب ضرور پہنچے گا۔
(صحیح بخاری کتاب الجنائز، صحیح مسلم کتاب الوصیۃ،سنن ابوداؤد کتاب الوصایا، سنن نسائی کتاب الوصایا،سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے جس باب میں روایت کیا ہے اس کا عنوان یہ لکھا ہے، باب وُصُوْلِ ثَوَابِ الصَّدَقَاتِ اِلَی الْمَیِّتِ. ''صدقات کا ثواب فوت شدہ لوگوں کو پہنچتا ہے''۔اس عنوان سے ہی اہلسنت کا عقیدہ واضح ہے۔

2۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی،

﴿اِنَّ اَبِیْ مَاتَ وَتَرَکَ مَالاً وَّلَمْ یُوْصِ. فَهَلْ یُکَفِّرُ اَتَصَدَّقُ عَنْهُ ؟ قَالَ نَعَمْ.﴾

یارسول اللہ ﷺ! میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے اورانہوں نے مال چھوڑا ہے مگر کوئی وصیت نہیں کی ہے۔اگرمیں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا یہ صدقہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا؟ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔
(صحیح مسلم باب وصول ثواب الصدقات الی المیت،سنن نسائی باب فضل الصدقۃ عن المیت)

غیب جاننے والے آقا ومولیٰ ﷺ کے اس فرمانِ عالی شان سے بھی واضح ہے کہ صدقہ کرنے سے اُس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

3۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوگئیں اور وہ اس وقت موجود نہ تھے۔انہوں نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی،یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا،اور میں اُس وقت موجود نہ تھا۔

﴿فَهَلْ يَنْفَعُهَا شَیْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا ؟ قَالَ نَعَمْ.قَالَ فَاِنِّیْ اُشْهِدُکَ اَنَّ حَائِطِیَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَیْهَا﴾

اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ وخیرات کروں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا؟ سرکارِدوعالم ﷺ نے فرمایا، ہاں، پہنچے گا۔عرض کی، میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا ''مِخْرَاف'' نامی باغ ان کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الوصایا)

4۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی،

﴿یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ اَفَیَنْفَعُهَا اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ.﴾

یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا۔اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ وخیرات کروں تو کیا انہیں فائدہ پہنچے گا؟ سرکارِدوعالم ﷺ نے فرمایا، ہاں۔انہوں نے عرض کی، میرا ایک باغ ہے آپ گواہ رہیں کہ میں نے وہ ان کے لیے صدقہ کردیا۔

(جامع ترمذی باب ما جاء فی الصدقة عن المیت، سنن ابوداؤد کتاب الوصایا، سنن نسائی کتاب الوصایا)

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو روایت کرکے فرماتے ہیں،

﴿هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَبِهٖ یَقُوْلُ اَهْلُ الْعِلْمِ﴾

''یہ حدیث حسن ہے، اور علماء کا یہی قول ہے''۔

5۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عُبادہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی،

﴿اِنَّ اُمِّیْ مَاتَتْ وَعَلَیْهَا نَذْرٌ فَقَالَ اِقْضِهٖ عَنْهَا.﴾

یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے ایک مَنَّت یا نذر مانی ہوئی تھی۔ سرکارِ دوعالم نے فرمایا، تم ان کی طرف سے وہ نذر ادا کرو۔

(صحیح بخاری کتاب الوصایا، صحیح مسلم کتاب النذر)

6۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی، میری والدہ نے حج کرنے کی منت مانی مگر وہ حج کیے بغیر فوت ہوگئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا،

﴿نَعَمْ حُجِّیْ عَنْهَا، اَرَاَیْتِ لَوْ کَانَ عَلٰی اُمِّکِ دَیْنٌ اَکُنْتِ قَاضِیَةً؟ اقْضُو اللّٰهَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ﴾

ہاں! تم اس کی طرف سے حج کرو۔ اگر تمہاری والدہ پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا نہ کرتیں؟ پس اللہ کا حق ادا کرو کیونکہ وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔ (صحیح بخاری، باب الحج والنذور عن المیت)

7۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقا و مولیٰ ﷺ کی خدمت میں عرض کی،

﴿یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ الْمَاءُ. قَالَ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ﴾

یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے لیے کون سا صدقہ افضل ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، پانی۔ تو آپ نے ایک کنواں کھدوایا اور فرمایا، یہ سعد کی والدہ کے لیے ہے یعنی اس کا ثواب اُمِّ سعد کو پہنچے۔

(سنن ابوداؤد باب فی فضل سقی الماء، سنن نسائی کتاب الوصایا، مُسندِ احمد، سنن ابن ماجہ کتاب الادب، معجم کبیر للطبرانی، مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ)

8۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں، تو ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے''۔(جامع ترمذی ابواب الصوم)

اس سے معلوم ہوا کہ میت کے ذمہ اگر روزے ہوں تو اس کی طرف سے روزوں کا کفارہ ادا کیا جائے۔اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

9۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقہ میں دی تھی اور اب میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا، تمہیں ثواب مل گیا اور وہ لونڈی اب تمہیں وراثت میں مل گئی۔

اُس نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میری ماں پر ایک ماہ کے روزے تھے، کیا میں اُس کی طرف سے وہ روزے رکھوں؟ فرمایا، ہاں! تم اس کی طرف سے روزے رکھو۔ پھر اس نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میری ماں نے حج نہیں کیا تھا، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا، ہاں! اس کی طرف سے حج بھی کرلو۔

(صحیح مسلم کتاب الصوم، ترمذی کتاب الزکوٰۃ، ابوداؤد کتاب الوصایا)

10۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص نے عرض کی، میری بہن فوت ہوگئی اور اس نے حج نہیں کیا تھا۔کیا میں اسکی طرف سے حج کروں؟ ارشاد فرمایا، اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا نہ کرتے؟ پس اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔(صحیح ابن حبان)

معلوم ہوا کہ اگر والدین یا بہن بھائی نے حج نہ کیا ہو تو لواحقین ان کی طرف سے حج کر سکتے ہیں البتہ اگر ان کے ذمہ روزے ہوں تو روزوں کا فدیہ دینا چاہیے۔

11۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد اُن کی طرف سے غلام آزاد کیا

کرتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳:۵۹)

ان احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مالی و بدنی عبادات کا ثواب کسی مسلمان کو پہنچانا بالکل جائز ہے۔ بلاشبہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو ایصالِ ثواب کا حکم دیا اور صحابہ کرام کا یہی معمول تھا۔

قربانی اور ایصالِ ثواب:

12۔ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے لیے سینگوں والا مینڈھا لانے کا حکم دیا۔ پھر چھری تیز کر کے اسے ذبح کرنے لگے اور فرمایا،

﴿اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ﴾

اے اللہ! اسے محمد ﷺ، آلِ محمد ﷺ اور اُمتِ محمد ﷺ کی طرف سے قبول فرما۔

(صحیح مسلم کتاب الاضاحی، سنن ابوداؤد کتاب الضحایا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رحمتِ عالم ﷺ نے قربانی کے ثواب میں اپنی آل اور اپنی امت کو شریک فرمایا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ امتی جو اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی طرف سے قربانی کر کے انہیں ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اسی طرح قربانی کے جانور میں اپنے کسی مرحوم عزیز کے ایصالِ ثواب کے لیے حصہ بھی ڈال سکتے ہیں۔

13۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر سال نبی کریم ﷺ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔ حضرت حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو دنبے قربانی کرتے دیکھا تو میں نے دو دنبے قربان کرنے کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا،

﴿اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَوْصَانِیْ اَنْ اُضَحِّیَ عَنْہُ فَاَنَا اُضَحِی عَنْہُ﴾

مجھے آقا و مولیٰ ﷺ نے اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت فرمائی تھی اس لیے میں ایک قربانی رسولِ معظم ﷺ کی طرف سے کیا کرتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد باب الاضحیة عن المیت، مسند احمد، مسند ابویعلی)

مالی وبدنی عبادات کا ثواب:

اہلسنت کے نزدیک مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادات کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچایا جاسکتا ہے خواہ وہ زندہ ہو یا فوت شدہ۔

امام بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور میت کو اس سے نفع ہوتا ہے۔

14۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اپنے مُردوں کے لیے دعائیں، صدقات وخیرات اور حج کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں انہیں پہنچتی ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

﴿نَعَمْ اِنَّهٗ يَصِلُ اِلَيْهِمْ وَيَفْرَحُوْنَ كَمَا يَفْرَحُ اَحَدُكُمْ بِالطَّبَقِ اِذَا اُهْدِىَ اِلَيْهِ﴾

ہاں ضرور پہنچتی ہیں اور وہ ان سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے تم ایک دوسرے کے ہدیے سے خوش ہوتے ہو''۔(عمدۃ القاری ج ۸: ۳۲۰، مسند احمد)

15۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں سے فرمایا،

﴿مَنْ يَضْمَنُ لِىْ مِنْكُمْ اَنْ يُصَلِّىَ لِىْ فِىْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ اَوْ اَرْبَعًا وَيَقُوْلَ: هٰذِهٖ لِاَبِىْ هُرَيْرَةَ﴾

''تم میں سے کون اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ مسجد عَشار میں میرے لیے دو یا چار رکعات نفل پڑھ دے اور کہے کہ یہ نماز ابوہریرہ کے لیے ہے۔

میں نے اپنے حبیب آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسجد عَشار سے ایسے شہیدوں کو اُٹھائے گا کہ اُن کے سوا شہدائے بدر کے ساتھ کوئی اور کھڑا نہ ہوگا''۔(سنن ابوداؤد کتاب الملاحم)

معلوم ہوا کہ بدنی عبادت یعنی نماز کا ثواب بھی کسی دوسرے کو بخشنا جائز ہے خواہ

زندہ کو ہی ایصالِ ثواب کیا جائے۔

ان بارہ احادیثِ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عبادات کا ثواب زندہ یا فوت شدہ کو پہنچتا ہے اور ایصالِ ثواب سے مُردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ فوت شدہ مسلمانوں کو ایصالِ ثواب کرنا صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔

کون ساثواب بعد وفات ملتا رھتا ھے؟

رسولِ معظم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے،

﴿اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلاَثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ﴾

”جب انسان مر جاتا ہے تو اُس کے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے، جن کا ثواب اُسے ملتا رہتا ہے۔

اول: وہ صدقہ جس کا فائدہ جاری رہے، دوم: وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، سوم: وہ نیک اولاد جو اُس کے لیے دعا کرتی رہے“۔

(صحیح مسلم باب مَا يَلْحَقُ الْاِنْسَانُ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهٖ،
سنن ترمذی و سنن ابوداؤد و سنن نسائی کتاب الجنائز)

ان تینوں چیزوں کا ثواب انسان کو اس لیے ملتا رہتا ہے کہ وہ ان اعمال کا سبب بنا۔ صدقۂ جاریہ سے مراد مثلاً مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لینا ہے جس میں لوگ نماز پڑھتے یا قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے رہیں گے اور اس بنانے والے کو ثواب ملتا رہے گا۔ یا اسی طرح اگر لوگوں کے لیے پانی کا کنواں کھدوا دیا تو جب تک لوگ اس سے پانی لیتے رہیں گے، اسے ثواب ملتا رہے گا۔

یونہی دینی کتاب لکھنا اور اسے شائع کرنا بھی صدقۂ جاریہ ہے مگر علمِ دین کی عظمت کے سبب اسے علیحدہ سے بھی ذکر فرمایا گیا۔

نافع علم سے مراد دین کا علم ہے۔کسی نے قرآن کریم پڑھایا، یا قرآن وحدیث کی تعلیمات سکھائیں، یا دینی کتاب لکھی یا دینی کتاب چھپوائی۔ جب تک یہ پڑھنے اور سیکھنے والے عمل کرتے رہیں گے، ان سب کو اپنے اعمال کا ثواب ہوگا اوران کے اجر میں کمی ہوئے بغیر تمام ثواب اسے بھی ہوگا جس نے انہیں قرآن پڑھایا اور دین سکھایا۔اسی طرح دینی کتاب جب تک پڑھی جائے گی، لوگ اس کے علم سے فائدہ اٹھائیں گے، لکھنے والے اور چھپوانے والوں سب کو ثواب ملتا رہے گا۔

حدیث شریف میں جس تیسری چیز کا ذکر ہوا، وہ نیک اولاد ہے۔اور اولاد کے نیک ہونے کی علامت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے والدین کے لیے دعا کرتی رہتی ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی اولاد کی دینی تربیت نہ کی ، نہ تو اسے قرآن مجید پڑھنا سکھایا اور نہ ہی نماز، روزے اور ایصالِ ثواب کی تعلیم وتربیت کی ۔اب اگر اس کا انتقال ہوجائے تو وہ کیونکر توقع کرسکتا ہے کہ اس کی اولاد نیکیاں کرے گی اور اولاد کی نیکیوں کا ثواب اسے وفات کے بعد ملتا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ انسان آج جو بوئے گا، کل وہی کاٹے گا۔

اسی طرح کسی کی اولاد نماز روزہ کی پابند تو ہوجاتی ہے، چہرے پر داڑھی بھی سجا لیتی ہے مگر عقیدہ کی گمراہی کا شکار ہوجاتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ ”دعا اور ایصالِ ثواب سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، یہ سب بدعت وحرام ہے“۔ایسی اولاد بھی صدقۂ جاریہ کی بجائے وبال بن جاتی ہے۔

خدارا آج اپنی آخرت کی فکر کیجیے اور اپنی اولاد کی دینی تربیت کیجیے۔آپ اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے تلاوتِ قرآن ،درسِ قرآن، محفلِ میلاد اور صدقہ خیرات کا اہتمام کیجیے۔آج آپ اپنے والدین کے لیے ایصالِ ثواب کریں گے تو کل آپ کی اولاد بھی آپ کے لیے ایصالِ ثواب کرے گی۔

ہر مسلمان کو اپنے والدین کی قبروں پر جانے کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

﴿مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَیْہِ اَوْ اَحَدِھِمَا فِیْ کُلِّ جُمُعَۃٍ غُفِرَلَہٗ وَکُتِبَ بَرًّا﴾

جو کوئی جمعہ کے دن اپنے والدین کی یا ان میں سے ایک کی قبر کی زیارت کرتا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور اس کا نام نیکوکاروں میں لکھا جاتا ہے۔

(مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور، بیہقی فی شعب الایمان)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ محض والدین کی قبر کی زیارت سے مغفرت ملتی ہے تو وہاں جا کر تلاوت اور دعا کرنا کس قدر زیادہ اجر کا باعث ہوگا۔

ایک اور حدیث پاک میں یوں ارشاد ہوا،﴿اِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ اَنْ تُصَلِّیَ لِاَبَوَیْکَ مَعَ صَلاتِکَ وَتَصُوْمُ لَھُمَا مَعَ صَوْمِکَ﴾

اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لیے (نفل) نماز پڑھنا اور اپنے روزوں کے ساتھ اپنے ماں باپ کے لیے (نفل) روزے رکھنا نیکی پر نیکی ہے۔

(صحیح مسلم باب بیان الاسناد من الدین)

نیک اولاد کی دعائے مغفرت سے والدین کے جنت میں درجات بلند ہوتے ہیں۔رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا،

﴿اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ لَیَرْفَعُ الدَّرَجَۃَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ اَنّٰی لِیْ ھٰذِہٖ فَیَقُوْلُ بِاسْتَغْفَارِ وَلَدِکَ لَکَ﴾

جب اللہ تعالیٰ نیک بندے کے درجات کو جنت میں بلند فرماتا ہے تو بندہ عرض کرتا ہے، اے رب! یہ درجہ مجھے کیسے ملا؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے، تیرے بیٹے کے تیرے لیے اِستغفار کی وجہ سے۔(مسند احمد، مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ)

یہ حدیث پاک بھی زندوں کے اعمال سے میّت کو نفع پہنچنے کی روشن دلیل ہے۔

لَیُسَ لِلُانُسَانِ اِلَّا مَا سَعیٰ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب سے کسی کو فائدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآن مجید میں ہے، ﴿وَاَنُ لَّیُسَ لِلُانُسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾

''اور یہ کہ آدمی کو وہی ملے گا جس کی وہ کوشش کرے گا''۔(النجم:۳۹)

اس ضمن میں مفسرین کرام نے جو جوابات تحریر فرمائے ہیں، ان کا خلاصہ آسان الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆ مفسرین کے امام، صحابیٔ رسول، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم قرآن مجید کی دوسری آیت سے منسوخ ہو گیا۔ اور وہ آیت یہ ہے،

﴿وَالَّذِیُنَ اٰمَنُوُا وَاتَّبَعَتُهُمُ ذُرِّیَّتُهُمُ بِاِیُمَانٍ اَلُحَقُنَا بِهِمُ ذُرِّیَّتَهُمُ وَمَآ اَلَتُنٰهُمُ مِّنُ عَمَلِهِمُ مِّنُ شَیُءٍ﴾

''اور جو ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان کے ساتھ اُن کی پیروی کی، ہم نے اُن کی اولاد اُن سے ملادی، اور اُن کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی''۔

(الطّور:۲۱، کنزالایمان)

اس آیت سے ثابت ہورہا ہے کہ والدین کی نیکیاں اولاد کے درجات بلند کرنے اور انہیں جنت میں لے جانے کا ذریعہ ہیں۔

☆ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلی آیات میں حضرت موسیٰ و حضرت ابراھیم علیہما السلام کے صحیفوں کا ذکر ہے اس لیے یہ حکم اُن کی امتوں کے لیے تھا۔ اس امت کا مقام یہ ہے کہ اسے اپنی کوشش کا اجر بھی ملے گا اور جو اس کے لیے کوشش کریں گے، ان کا بھی اجر ملے گا۔

☆ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد کافر ہیں کیونکہ کافروں کو کسی کی نیکی نفع نہیں

دیتی، انہیں صرف ان کی کوشش کا اجر ملتا ہے اور وہ بھی صرف دنیا میں کیونکہ آخرت میں کافر کے لیے کوئی اجر نہیں۔

☆ اس آیت میں ﴿ لِلْاِنْسَان ﴾ میں لام "عَلٰی" کے معنی میں ہے۔یعنی انسان کو نقصان صرف اس کے اپنے بُرے عمل کی وجہ سے ہوتا ہے، دوسروں کے بُرے اعمال اسے نقصان نہیں دے سکتے۔

☆ اس آیت میں دوسروں کی کوشش سے جس اجر کی نفی ہے وہ عدل کی بناء پر ہے اور قرآن وحدیث میں دوسروں کی کوشش سے جس اجر کا ثبوت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا تقاضا ہے۔

☆ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کسی عمل کے اجر کوئی گُنا کر دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ ایک عمل کی جزا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک عطا فرماتا ہے۔اسی طرح مومن کو دوسروں کے نیک اعمال کا ثواب ملنا رب کریم کا فضل ہے اور مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے عدل کا ذکر ہے۔

دوسروں سے نفع ہوتا ہے:

قرآن وحدیث میں بیشمار دلائل موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو دوسروں کی دعا یا عمل سے نفع ہوتا ہے۔اختصار سے چند دلائل پیشِ خدمت ہیں۔

☆ انبیاء کرام اور مسلمانوں نے دوسرے مسلمانوں کی مغفرت کی دعائیں مانگی ہیں، اگر دعاؤں میں نفع نہ ہوتا تو رب تعالیٰ انہیں ضرور منع فرما دیتا۔پس ثابت ہوا کہ ان کی دعاؤں سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

☆ سورۃ المؤمن میں ہے کہ فرشتے ایمان والوں کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگتے ہیں جو کہ یقیناً نفع کا باعث ہیں۔

☆ مسلمان کے حق میں غائبانہ دعا جلد قبول ہوتی ہے۔یہ بھی غیر سے نفع ہے۔

☆ امامُ الانبیاء سیدِ عالم ﷺ قیامت میں سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے۔ یہ تمام امتوں کے لیے آپ سے نفع ہے۔

☆ کبیرہ گناہ والوں کو آقا و مولیٰ ﷺ اپنی شفاعت سے جہنم سے نکالیں گے۔ یہ بھی آپ کی ذات سے نفع ہوگا۔

☆ انبیاء کرام، شہداء اور صالحین بھی گناہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ یہ بھی بعض کو دوسروں کے عمل سے نفع ملنا ہے۔

☆ سورۃ الطّور میں ہے کہ مسلمانوں کی اولاد اپنے والدین کے عمل سے جنت میں جائے گی۔ یہ بھی غیر سے نفع پانا ہے۔

☆ سورۃ توبہ میں ہے کہ حضور ﷺ کے ہوتے ہوئے کافروں پر دنیا میں عام عذاب نہیں ہوگا۔ یہ بھی حضور ﷺ کا نفع دینا ہے۔

☆ سورۃ کہف میں ہے کہ دو یتیم لڑکوں کے مال کی حفاظت اس لیے ہوئی کہ ان کا والد نیک تھا۔ پس ان لڑکوں کو اپنے والد کی نیکی سے نفع ہوا۔

☆ سورۃ بقرہ میں ہے کہ اگر بعض لوگوں کی وجہ سے اللہ بعض لوگوں سے عذاب نہ ٹالے تو زمین تباہ ہو جائے۔ یہ بھی بعض سے دوسروں کو نفع ملنا ہے۔

☆ فرشتے اور بعض دیگر مخلوق، لوگوں کو بھلائی سکھانے والے علماء کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔ ان کی دعائیں علماء کے لیے نفع کا ذریعہ ہیں۔

☆ ذکر الٰہی کی مجلس میں یونہی بیٹھنے والے ذاکرین کی برکت سے بخش دیے جاتے ہیں۔ یہ بھی غیر کے عمل سے نفع ہے۔

☆ جس پر لوگوں کے حقوق ہوں، اگر وہ لوگ معاف کر دیں تو وہ شخص بری ہو جاتا ہے۔ یہ بھی لوگوں سے نفع پانا ہے۔

☆ نمازِ جنازہ پڑھنا میت کے لیے دوسرے مسلمانوں سے نفع ملنے کا سبب ہے۔

☆ نیک پڑوسی سے زندگی میں اور موت کے بعد بھی نفع ہوتا ہے۔اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے انبیاء کرام کے مزارات کے قریب بیت المقدس میں دفن ہونا پسند کیا۔

☆ احادیث پیش ہوچکیں کہ دوسروں کے صدقات سے میت کو نفع ہوتا ہے۔

☆ میت کی طرف سے حج کرنے سے اس کا حج ادا ہوجاتا ہے، یہ غیر سے نفع ہے۔

☆ میت کی طرف سے قرض ادا کرنے سے اس کا قرض ساقط ہوجاتا ہے۔ یہ بھی غیر کے عمل سے نفع ہونا ہے۔

☆ یہ بھی حدیث میں ہے کہ اولاد کی دعا و اِستغفار سے والدین کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ یہ بھی غیر کے عمل سے نفع ہونا ہے۔

☆ حدیث پیش ہوچکی کہ لوگوں کی دعائے مغفرت سے میت کو ثواب کے پہاڑ ملتے ہیں۔ یہ بھی دوسروں کے عمل سے نفع پانا ہے۔

☆ احادیث سے ثابت ہے کہ ابدال کی وجہ سے لوگوں کو رزق ملتا ہے، بارش ہوتی ہے اور مدد نصیب ہوتی ہے۔

☆ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نمازیوں کے طفیل، نماز نہ پڑھنے والوں سے عذاب دور کردیتا ہے۔

☆ حدیث میں ہے، اسلام میں اچھا کام ایجاد کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور بعد میں جتنے لوگ اس پر عمل کریں، سب کو ثواب ہوگا اور سب کا ثواب اس پہلے شخص کو بھی ملے گا۔(صحیح مسلم) گویا اچھا کام ایجاد کرنے والے کے نامۂ اعمال میں بعد والوں کی تمام نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی۔ یہ دوسروں کے نیک اعمال سے نفع ہے۔

☆ نمازِ جنازہ پڑھنے والوں سے کیا نفع ملتا ہے؟ دو حدیثیں ملاحظہ فرمائیے۔

﴿مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّي عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ﴾

''جس میت پر سو مسلمان نمازِ جنازہ پڑھ کر اس کے لیے شفاعت کریں تو اس میت کے حق میں ان کی شفاعت قبول کر لی جاتی ہے''۔(صحیح مسلم کتاب الجنائز)

ایک اور حدیث پاک میں رحمتِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے،

﴿مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً لاَ يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ﴾

''جو مسلمان فوت ہو جائے اور اس کے جنازہ میں چالیس ایسے لوگ ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کی شفاعت اُس میت کے حق میں قبول فرما لیتا ہے۔(صحیح مسلم کتاب الجنائز)

☆ میت کے حق میں اگر مسلمان بھلائی کی گواہی دیں تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ یہ بھی غیر سے نفع پانا ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ لوگ ایک جنازہ لے کر گزرے تو صحابہ نے اسکی تعریف کی۔ پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے تو صحابہ نے برائی بیان کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، جس کی تم نے تعریف کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے برائی کی، اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی۔ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

☆ امام شعرانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

﴿كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَحُثُّ عَلَى الدُّعَاءِ وَالصَّدَقَةِ وَالْقُرْبِ الْمُهَدَّاتِ لِلْاَمْوَاتِ مِنْ اَقَارِبِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَيَقُوْلُ اِنَّ ذٰلِكَ يَنْفَعُهُمْ﴾

''رسولِ معظم ﷺ شوق دلاتے تھے کہ فوت شدہ لوگوں کے لیے ان کے رشتہ داروں اور بھائیوں کی طرف سے دعائیں، صدقات اور نیکیاں بطور تحفہ بھیجی جائیں۔ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ بیشک یہ سب کچھ انہیں نفع دیتا ہے''۔

(کشف الغمہ ج۱:۱۷۴)

دعا کرنا، قرآن وحدیث میں:

رب تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے،

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ﴾

''اور تمہارے رب نے فرمایا، مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا، بیشک جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہوکر''۔

(المؤمن:٦٠)

معلوم ہوا کہ دعا مانگنے سے منہ موڑنا اور دعا کرنے کو ہلکا جاننا تکبر کی ایک صورت ہے جو رب تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ بے نیاز ہونا رب تعالیٰ کی شان ہے۔ بندہ تو ہر لمحہ اپنے رب کے کرم کا محتاج ہے۔

اللہ تعالیٰ عزَّ وجل کے مزید ارشاداتِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں،

﴿هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾

''اُس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، تو اُس سے دعا کرو، اخلاص سے اسی کے بندے ہوکر''۔(ایضاً:٦٥)

﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (ایضاً:١٤)

''تو اللہ سے دعا کرو، نرے اُس کے بندے ہوکر، چاہے کافر بُرا مانیں''۔

ان آیات میں مطلقاً اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا حکم دیا گیا، اور نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا بھی اس عام حکم میں داخل ہے۔اسی طرح دعا مانگنے کی فضیلت میں کئی حدیثیں بھی موجود ہیں۔

رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا، ﴿اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ﴾

''دعا عین عبادت ہے''۔(سنن ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

آقا و مولیٰ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے، ﴿الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَة﴾

''دعا عبادت کا مغز ہے''۔ (ترمذی، نسائی، ابوداؤد، مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

احمدِ مختار ﷺ کا یہ فرمانِ عالی شان بھی ملاحظہ فرمایئے۔

﴿مَنْ لَّمْ يَسْاَلِ اللّٰهَ يَغْضَبُ عَلَيْهِ﴾

''جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے''۔

(سنن ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

ان احادیث مبارکہ میں دعا مانگنے کا مطلقاً حکم موجود ہے۔ یقیناً نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنا بھی اس عام حکم کی تعمیل ہے۔ کوئی مسلمان جس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، اس کے جواز کے لیے مذکورہ آیات و احادیث کافی ہیں۔

البتہ جو کسی خاص موقع پر مثلاً نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو بدعت یا حرام کہے، اس پر لازم ہے کہ وہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنے کی ممانعت پر قرآن کی کوئی آیت یا صحیح اور صریح حدیث پیش کرے۔ اب ہم خصوصیت کے ساتھ نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنے پر دلائل پیش کرتے ہیں۔

نمازِ جنازہ کے بعد دعا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

﴿اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَآءَ﴾

''جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھ چکو تو اس کے لئے خلوص سے دعاء کرو''۔

(سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیہا)

استاذی و مرشدی حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری زید مجدہٗ فرماتے ہیں، یہ حدیث صحیح ہے۔ اس لئے محدث علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا، ﴿قَالَ ابْنُ حَجَرٍ وَ صَحَّحَهٗ ابْنُ حَبَّان﴾ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کو ابن حبان رحمہ اللہ

نے صحیح کہا ہے۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ’’اس سے مراد نماز جنازہ کے دوران یا بعد میں کسی وقت دعا کرنا ہے‘‘، یہ صحیح نہیں۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ ﴿فَاَخْلِصُوْا﴾ کی ’فا‘ تعقیب کے لیے ہے۔یعنی ’فا‘ سے قبل اور بعد کے افعال میں وقفہ نہیں ہوگا، وہ متصل ہونگے۔

مثلاً قرآن مجید میں ہے، ﴿فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا﴾ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم کھانے کے دوران منتشر ہو جاؤ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب تم کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ یعنی بلاوجہ میزبان کے گھر نہ بیٹھے رہو۔ مذکورہ حدیث میں بھی ﴿صَلَّیْتُمْ﴾ ماضی ہے اور ﴿فَاَخْلِصُوْا﴾ حکم ہے۔یعنی یہ حکم نماز کے دوران دعا کا نہیں بلکہ نماز ختم ہو جانے کے فوراً بعد کا ہے۔

اب اس حدیث پاک کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ جب تم میت پر نماز پڑھ چکو، تو بغیر کسی تاخیر کے اُس کے لیے خلوص سے دعا کرو۔(رسولِ خدا کی نماز:۲۴۱)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعا ہے، یہ درست نہیں۔ ایک وجہ اوپر بیان ہوئی۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ والی دعا خالصتاً میت کے لیے نہیں ہوتی بلکہ ﴿اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا......﴾ تمام زندوں اور مُردوں، حاضر اور غائب، چھوٹوں اور بڑوں، مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہوتی ہے جبکہ حدیث پاک کے الفاظ ہیں، ﴿فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَآءَ﴾ یعنی جب تم نمازِ جنازہ پڑھ لو تو اخلاص کے ساتھ خالصتاً میت کے لیے دعا مانگو۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں دعا ہلکی آواز میں پڑھی جاتی ہے جسے مقتدی سن نہیں سکتے۔لیکن نبی کریم ﷺ نے میت پر نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگی ہے اور بلند آواز سے مانگی ہے جس سن کر صحابہ کرام نے یاد کیا ہے اور اسے روایت کیا ہے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

﴿صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَآئِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهٖ وَاَهْلاً خَيْرًا مِنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ. قَالَ حَتّٰی تَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذٰلِكَ الْمَيِّتُ﴾

آقا و مولیٰ ﷺ نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ پس میں نے آپ کی دعا کے الفاظ یاد کر لیے۔ وہ دعا یہ ہے، ”اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما، اسے عافیت عطا فرما، اسے معاف فرما، اس کی عزت کے ساتھ مہمانی فرما، اس کی قبر کو وسیع کر دے۔ اس کو پانی، برف اور اولوں سے دھو (کر صاف کر) دے، اس کو گناہوں سے ایسے صاف کر دے جیسے تو سفید کپڑے کو میل سے صاف کر دیتا ہے۔ (الٰہی!) اس کو دنیاوی گھر کے بدلے میں بہتر گھر عطا فرما، دنیاوی گھر والوں کے بدلے میں بہتر گھر والے عطا فرما، اس کی بیوی کے بدلے میں بہتر بیوی عطا فرما، اس کو جنت میں داخل فرما، اسے قبر کے عذاب اور آگ کے عذاب سے محفوظ فرما“۔

حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ دعا سن کر اُس وقت میں نے یہ تمنا کی کہ کاش وہ مرنے والا میں ہوتا۔ (صحیح مسلم کتاب الجنائز)

اس حدیث پاک میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہ دعا نبی کریم ﷺ نے نمازِ جنازہ کے اندر پڑھی ہے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے یہ دعا نمازِ جنازہ کے بعد حضور ﷺ کی بلند آواز سے سن کر یاد کی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دعا آقا کریم ﷺ نے نمازِ جنازہ کے بعد ہی ارشاد فرمائی۔

اس کی تائید حضرت یزید بن رُکانہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ وہ

فرماتے ہیں، رسولِ معظم ﷺ نمازِ جنازہ پڑھتے تو چار تکبیریں پڑھتے پھر یہ دعا کرتے،
اے اللہ! یہ تیرا بندہ اور تیری بندی کا بیٹا ہے، یہ تیری رحمت کا محتاج ہے اور تو اسے
عذاب دینے سے بے نیاز ہے۔ الٰہی! اگر یہ نیک ہے تو اس کی نیکی میں اضافہ فرما، اور
اگر یہ برا ہے تو اس کی برائی کو درگزر فرما۔ پھر جو اللہ چاہتا آپ اُس میت کے لیے دعا
فرماتے۔(طبرانی فی المعجم الکبیر)

اس حدیث پاک سے بھی واضح ہے کہ مذکورہ دعا حضور ﷺ نے نمازِ جنازہ کے بعد
پڑھی تھی کیونکہ نمازِ جنازہ میں تو تین تکبیروں کے بعد دعا پڑھی جاتی ہے اور چار تکبیروں
کے بعد نماز ختم کی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی کہے، اس میں سلام پھیرنے کا ذکر نہیں
ہے۔ وجہ یہ ہے کہ چار تکبیروں کے بعد سلام پھیرنا لوگوں میں مشہور تھا اس لیے راوی
نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ فرض نماز سے متعلق بھی کثیر روایات ہیں جن میں راوی بعض
باتوں کا ذکر کرتے ہیں اور بعض کا نہیں۔

ایک اور دلیل یہ صحیح حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے۔﴿ثُمَّ كَبَّرَ عَلَيْهَا اَرْبَعًا ثُمَّ قَامَ بَعْدَ الرَّابِعَةِ قَدْرَ مَا بَيْنَ التَّكْبِيْرَتَيْنِ
يَدْعُوْا. ثُمَّ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُ فِي الْجَنَازَةِ هٰكَذَا﴾

پھر انہوں نے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں۔ پھر چوتھی تکبیر کے بعد اتنی دیر
کھڑے دعا کرتے رہے جتنا دو تکبیروں کے درمیان وقفہ ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے
فرمایا، رسولِ معظم ﷺ جنازہ میں اسی طرح کرتے تھے جس طرح میں نے کیا ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳:۳۰۲، مسند احمد، سنن ابن ماجہ، مستدرک للحاکم)

اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ صحابیٔ رسول ﷺ نے نمازِ جنازہ میں چار ہی
تکبیریں پڑھیں اور پھر چار تکبیروں کے بعد یعنی نمازِ جنازہ ختم کر کے دعا مانگی اور
لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ آقا و مولیٰ ﷺ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

امام بخاری اور امام مسلم کے استاد امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یزید بن مکفف رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں۔ پھر کچھ قدم چلے اور جنازہ کے پاس آئے اور یہ دعا فرمائی،

﴿اَللّٰھُمَّ عَبۡدُکَ وَابۡنُ عَبۡدِکَ نَزَلَ بِکَ الۡیَوۡمَ فَاغۡفِرۡ ذَنۡبَہٗ وَوَسِّعۡ عَلَیۡہِ مَدۡخَلَہٗ﴾

اے اللہ! یہ تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا ہے۔ آج تیری بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہے، تو اس کے گناہ معاف فرما اور اس کی قبر کو اس پر کشادہ فرما۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز)

چھٹی صدی ہجری کے مشہور فقیہ امام ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جب آپ نماز پڑھا چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعض لوگوں کے ساتھ پہنچے اور دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ تو آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

''نمازِ جنازہ دوبار نہیں پڑھی جاتی، البتہ تم میت کے لیے دعا مانگو اور استغفار کرو''۔ یہ حدیث اس بارے میں بہت واضح دلیل ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ایک جنازہ کی نماز رہ گئی۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے میت کے لیے صرف دعائے مغفرت کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ کے لیے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو پہنچنے میں تاخیر ہوگئی۔ جب وہ پہنچے تو صحابہ وتابعین سے فرمایا،

﴿اِنۡ سَبَقۡتُمُوۡنِیۡ بِالصَّلَاۃِ عَلَیۡہِ فَلَا تَسۡبِقُوۡنِیۡ بِالدُّعَآءِ لَہٗ﴾

اگرچہ تم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے میں مجھ پر سبقت کر لی ہے مگر اب ان کے لیے دعا کرنے میں مجھ پر سبقت نہ کرو''۔ (بدائع الصنائع ج ۲: ۳۴۷)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا کرنا آقا و مولیٰ ﷺ اور صحابہ کرام و تابعین کا معمول تھا۔ اسی لیے اہلسنت کا بھی معمول ہے کہ وہ نمازِ جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر متفرق کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ایک بار سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ الاخلاص پڑھ کر میت کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا لغو ہے کہ ''نمازِ جنازہ تو خود دعا ہے پھر اس کے بعد دعا کی کیا ضرورت ہے''۔ پھر سوال یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے آخری قعدہ میں درود ابراھیمی کے بعد دعا پڑھ کر سلام پھیرا جاتا ہے۔ جب دعا پڑھ لی جاتی ہے تو پھر بعد میں دعا کیوں کی جاتی ہے۔ حالانکہ سرکارِ دوعالم ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا،

﴿جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَ دُبُرُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ﴾

''آخر رات کے درمیانی حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد''۔

(سنن ترمذی، مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

نمازِ جنازہ بھی فرض کفایہ ہے لہٰذا اس کے بعد کی گئی دعا بھی جلد قبول ہوتی ہے۔

ایصالِ ثواب اور ائمہ دین:

امام طحاوی رحمہ اللہ، عقیدہ طحاویہ میں فرماتے ہیں،

﴿وَفِي دُعَاءِ الْاَحْيَاءِ وَصَدَقَاتِهِمْ مَنْفِعَةٌ لِلْاَمْوَاتِ﴾

''فوت شدہ لوگوں کو زندوں کی دعاؤں اور صدقہ سے نفع پہنچتا ہے''۔

محدث علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

﴿اِنَّ دُعَاءِ الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ نَفْعٌ لَّهُمْ﴾

''بے شک زندوں کی دعائیں مُردوں کو نفع دیتی ہیں''۔ (شرح فقہ اکبر:۱۱۸)

امام ابوالحسن برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''اس باب میں اصل یہ ہے کہ اہلسنت کے نزدیک انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا ان کے علاوہ''۔

(ھدایہ جلد اول باب الحج عن الغیر)

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا، کوئی شخص قبرستان والوں کو سورہ فاتحہ پڑھ کر بخشے تو کیا اس کا ثواب سب قبور والوں میں تقسیم ہوگا یا سب کو پورا ملے گا؟

انہوں نے جواب دیا، ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا اور یہی اللہ کریم کے فضل کے لائق ہے۔ (ردالمختار)

امام المحدثین فی الہند، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''میّت کے انتقال کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جائے کیونکہ میت کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنا اسے نفع دیتا ہے۔ اس میں اہلِ علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اس کے جواز میں احادیثِ صحیحہ وارد ہیں''۔

(اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور)

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''کوئی شخص روزہ رکھے یا نماز پڑھے یا صدقہ دے اور اس کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچائے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، یہ جائز ہے اور ان عبادات کا ثواب اس کو پہنچتا ہے۔ یہی اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے''۔

(ردالمختار ج ۱:۶۶۶)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''دعا اور صدقہ دونوں کا ثواب فوت شدہ کو پہنچتا ہے، اس پر امت کا اجماع ہے''۔ (شرح صحیح مسلم)

غیر مقلدین کے امام کا فتویٰ:

اہلسنت کا یہ عقیدہ غیر مقلدین کے پیشوا ابن تیمیہ نے بھی تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے،

بیشک یہ بات متواتر نصوص اور ائمہ سلف کے اجماع سے ثابت ہے کہ مومن کو اس عمل سے بھی فائدہ پہنچتا ہے جس کے لیے اس نے خود کوشش نہ کی ہو۔ مثلاً مومنوں کے لیے فرشتوں کی دعا اور اِستغفار کرنا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِرَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ﴾

''وہ جو عرش اُٹھاتے ہیں اور جو اُس کے گرد ہیں، اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اُس کی پاکی بولتے اور اُس پر ایمان لاتے ہیں، اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں، اے ہمارے رب! تیرے رحمت وعلم میں ہر چیز سمائی ہوئی ہے، تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے، اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے''۔

(المؤمن:۷)

اسی طرح انبیاء کرام کا مومنوں کے لیے دعا و استغفار کرنا، میت پر مسلمانوں کا نماز جنازہ پڑھنا اور دعا کرنا، نیز قبروں پر جانے والوں کا قبر والوں کے لیے دعا کرنا، یہ سب نفع کا باعث ہیں۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج۷:۹-۴۹۸، ملخصاً)

مزید لکھتے ہیں، ''کبھی میت کی دعا سے اللہ تعالیٰ نمازِ جنازہ پڑھنے والے پر رحمت فرماتا ہے اور کبھی اس زندہ کی دعا سے میت پر رحم فرماتا ہے''۔

''میت کو لوگوں کی دعا اور نیک اعمال سے نفع پہنچتا ہے''، اس ضمن میں ابن تیمیہ نے یہ بھی لکھا ہے، ﴿وَقَدْ دَلَّ عَلَیْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَالْاِجْمَاعُ فَمَنْ خَالَفَ ذٰلِكَ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْبِدَعِ﴾

''بیشک اس پر کتاب وسنت اور اجماع دلالت کرتا ہے۔ تو جو شخص اس کی مخالفت کرے گا وہ اہلِ بدعت میں سے ہوگا''۔ (مجموعۃ الفتاوٰی)

ایصالِ ثواب کے لیے دن کا تعین:

جس طرح ہر دن اور ہر وقت دعا جائز ہے اسی طرح ایصالِ ثواب بھی ہر دن اور ہر وقت جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث قادری بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کسی کام کے لیے وقت مقرر کرنے کی دو صورتیں ہیں: شرعی اور عادی۔

شرعی تعین سے مراد یہ ہے کہ کسی کام کے لیے قرآن وحدیث میں کوئی وقت مقرر فرما دیا گیا ہے، وہ کام اس معین وقت کے علاوہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً حج جو کہ خاص دنوں میں ہی خاص مقامات پر ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قربانی عیدالاضحیٰ کے تین دنوں میں ہی کی جاسکتی ہے۔ نہ تو مخصوص دنوں کے علاوہ حج ہوسکتا ہے اور نہ ہی معین دنوں کے علاوہ قربانی ہوسکتی ہے۔ دنوں کا یہ تعین شرعی ہے۔

عادی تعین سے مراد یہ ہے کہ کسی کام کے لیے قرآن وحدیث میں کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا، وہ کسی بھی وقت کیا جائے، جائز ہے۔ لیکن کام ہونے کے لیے زمانہ ضروری ہے۔ اب اس کام کے لیے لوگ اپنی اور دوسروں کی آسانی کے لحاظ سے جس وقت کا تعین کرنا چاہیں، اس کی اجازت ہے۔

مثلاً دین کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس کے لیے کسی دن اور وقت کا تعین نہیں ہے۔ کوئی صرف جمعہ کے دن دین سیکھنا چاہے، کوئی ہفتہ میں دو دن اور کوئی ہفتہ کے تمام دن علم دین سیکھنے کا اہتمام کرے، سب جائز ہے۔ دنوں کا یہ تعین عرف اور عادت کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح نمازِ ظہر کا وقت شرعی طور پر زوال کے بعد سے کسی چیز کا سایہ دوگنا ہونے تک ہے۔ کسی مسجد میں پورا سال نمازِ ظہر ایک بجے ہوتی ہے، کہیں ڈیڑھ بجے اور کہیں کسی اور وقت۔ اسی طرح نمازِ عشاء کا وقت نصف شب تک ہے مگر تمام مساجد میں نماز کا وقت مختلف ہوتا ہے۔ لوگوں کی آسانی کے لحاظ سے ہم خود وقت مقرر کرتے

ہیں۔ دینی مدارس میں داخلے، مضامین کے پیریڈز، مقررہ وقت پر چھٹی، معین وقت پر امتحانات اور تعطیلات، اساتذہ کی معین تنخواہیں، غرض یہ کہ کون سی چیز ایسی ہے جس پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء عمل پیرا نہیں، کیا ان سب باتوں کے تعین کو ''شرعی تعین'' قرار دے کر بدعت اور حرام کہا جا سکتا ہے؟؟؟

یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ ہر تعین ''شرعی'' نہیں ہوتا۔ کثیر امور ایسے ہیں جن میں تمام مکاتبِ فکر کے لوگ عرف اور عادت کے اعتبار سے مختلف دنوں اور اوقات کا تعین کرتے ہیں جو کہ بالکل جائز ہے۔ اسی طرح علماء و محدثین کرام نے ایصالِ ثواب کے لیے جمعرات کا دن، وفات سے تیسرا دن اور چالیسویں دن کا تعین کر کے لوگوں کو اس نیکی کی طرف راغب کیا۔ دنوں کا یہ تعین عرفی ہے، شرعی نہیں۔

کوئی مسلمان یہ نہیں سمجھتا کہ صرف تیسرے دن ثواب پہنچتا ہے اور چوتھے دن نہیں پہنچتا یا فلاں دن پہنچتا ہے اور فلاں دن نہیں پہنچتا۔ ہاں! اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ تیسرے دن یا چالیسویں دن تو ثواب پہنچتا ہے اور دوسرے دنوں میں نہیں پہنچتا تو ایسا عقیدہ ضرور باطل ہے۔ الحمد للہ! کوئی مسلمان ایسا عقیدہ نہیں رکھتا۔

اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ کئی جگہ جہاں میت کے رشتہ دار دُور سے آئے ہوئے ہوں، لوگ دوسرے دن ہی ''سوئم'' یا ''قُل'' کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ''چہلم'' بھی چالیسویں سے پہلے جو چھُٹی کا دن آ رہا ہو، اُس دن کر لیتے ہیں۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کو آسانی ہو اور وہ زیادہ تعداد میں دعا میں شریک ہو سکیں۔

حضور ﷺ اور صحابہ کا دن معیّن کرنا:

بعض احادیث ملاحظہ فرمائیے جن سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام بھی بعض نیک کاموں کے لیے دن اور وقت کا تعین فرمایا کرتے تھے۔

☆ آقا و مولیٰ ﷺ ہر پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ جب آپ سے سبب پوچھا

گیا تو فرمایا، ﴿فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ﴾

''اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی''۔

(صحیح مسلم کتاب الصیام)

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے اور وہ فرمایا کرتے تھے، کہ میں نے دیکھا ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ بھی ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا تشریف لایا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج)

☆ رسولِ معظم ﷺ جمعرات کے دن غزوہ تبوک کے لیے نکلے اور آپ جمعرات کو جہاد کے لیے سفر کرنا پسند فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر)

☆ حضور ﷺ نے فرمایا، جب تم مہینہ میں تین دن روزہ رکھنا چاہو تو تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کو رکھو۔ (ترمذی ابواب الصوم)

☆ نبی کریم ﷺ ہر سال کے آخر پر شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔ (تفسیر کبیر زیرِ آیت سَلَامٌ عَلَيْكُمْ)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ایک شخص نے روزانہ وعظ کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا،

﴿اَمَا اِنَّهٗ يَمْنَعُنِيْ مِنْ ذٰلِكَ اَنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ وَاِنِّيْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا﴾

مجھے روز وعظ کہنے میں یہ رکاوٹ ہے کہ مجھے تم لوگوں کو ملال میں ڈالنا پسند نہیں۔ میں نے تمہاری نصیحت کے لیے اسی طرح دن مقرر کیا ہے جس طرح رسولِ معظم ﷺ نے ہمارے لیے مقرر فرمایا تھا کہ کہیں ہم اُکتا نہ جائیں۔

(صحیح بخاری کتاب العلم)

آخری حدیث کے تحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ نہ تھا کہ جمعرات کے علاوہ کسی اور دن وعظ نہیں، یا دوسرے دن اس کا جواز نہیں، یا دوسرے دن یہ اجر فوت ہو جائے گا، یا شریعت نے یہ تعیین فرمائی تھی...... ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک عادت مقرر کر لی تھی تا کہ ہر ہفتہ میں مسلمانوں کی تذکیر و نصیحت کا کام انجام دیتے رہیں، اور دن متعین ہونے کی وجہ سے طالبانِ خیر آسانی سے جمع ہو جائیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج۹: ۵۸۷)

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بعض نیک کاموں کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بعض مخصوص دنوں کا تعین فرمایا ہوا تھا، اسی طرح مسلمان میت کے ایصالِ ثواب کے لیے تیسرے دن کا یا جمعرات کا یا چالیسویں دن کا تعین کرتے ہیں اور اسے فرض یا واجب بھی نہیں سمجھتے بلکہ ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ جمع ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کریں اور کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ کر میت کو ایصالِ ثواب کریں۔ مزید یہ کہ اجتماعی دعا میں کثیر مسلمانوں کے آمین کہنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ میت پر رحمت نازل فرمائے گا۔

ایصالِ ثواب کی مروّجہ صورتیں:

تیجہ، دسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ سب ایصالِ ثواب ہی کی مختلف صورتیں ہیں، ان میں میّت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، کلمہ طیبہ، درود شریف، اِستِغفار اور ذکر واذکار کے علاوہ صدقہ خیرات کیا جاتا ہے۔ یہ سب نیک کام ہیں اور سنتِ مطہرہ سے ثابت ہیں۔

جب کوئی مسلمان وفات پاتا ہے تو اسے زندوں کی طرف سے شروع کے دنوں میں ایصالِ ثواب کی زیادہ حاجت ہوتی ہے اسی لیے اسکی وفات سے ہی ایصالِ ثواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک وفات پانے والے سات دن تک

اپنی قبروں میں آزمائش میں رہتے ہیں اس لیے ابتدائی سات ایام میں ان کے ایصالِ ثواب کے لیے کھانا کھلانے کو مسلمان مستحب جانتے ہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا، اس حدیث کو مرفوع کا حکم حاصل ہے کیونکہ اپنی رائے سے ایسا کہنا ممکن نہیں۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲: ۱۷۸)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

میّت کے انتقال کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جائے۔...... بعض روایات میں آیا ہے کہ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اسکی طرف سے اسکے گھر والے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔ (اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور)

ہر جمعرات کو فاتحہ کرنے کی اصل یہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تفسیر عزیزی میں آیت ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ﴾ کے تحت فرماتے ہیں،

''مردہ اس حالت میں کسی ڈوبنے والے کی طرح فریادرسی کا منتظر ہوتا ہے اور اس وقت صدقے، دعائیں اور فاتحہ اسے بہت کام آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان، موت سے ایک سال تک، خصوصاً چالیس دن تک اس طرح کی امداد یعنی ایصالِ ثواب میں بھرپور کوشش کرتے ہیں''۔

یہ حدیث شریف پہلے مذکور ہوچکی کہ میت کی حالت قبر میں ایسے ہوتی ہے جیسے کوئی شخص پانی میں ڈوب رہا ہو۔ جیسے ڈوبنے والے کو ہر تنکے سے سہارے کی امید ہوتی ہے ایسے ہی میت کو اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ایصالِ ثواب کی امید ہوتی ہے۔ اسی لیے شروع کے تین دن یا سات دن تک میت کے ایصالِ ثواب کے لیے اس کے اہلِ خانہ اور احباب زیادہ وقت تلاوتِ قرآن، کلمہ طیبہ کے ورد اور اِستغفار و دعا میں مشغول رہتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

میں نے تواریخ میں کثیر ائمہ دین کے حالات میں یہ پڑھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں،
''لوگ میت کی قبر پر سات دن تک قرآن کریم تلاوت کیا کرتے تھے''۔
(الحاوی للفتاویٰ ج ۲:۱۹۲)

''جمعرات'' کی فاتحہ:

کسی کے انتقال پر چونکہ ابتدا میں غم اور صدمہ تازہ ہوتا ہے اس لیے ابتدائی چند دن تلاوت، دعا اور صدقہ خیرات کا سلسلہ قائم رہتا ہے پھر دنیاوی مصروفیات آڑے آ جاتی ہیں نیز وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صدمہ کا اثر بھی ہلکا ہوتا جاتا ہے۔ اسی بناء پر ائمہ ومحدثین کرام نے ہر جمعرات کو ایصالِ ثواب کرنے کی ترغیب دی تاکہ میت کے ساتھ ایصالِ ثواب کا تعلق قائم رہے۔ صالحین تو ہمیشہ سے اپنے والدین، اقارب اور اساتذہ کے ایصالِ ثواب کا ہر جمعرات کو اہتمام کرتے آ رہے ہیں، البتہ عام لوگوں نے اسے ''چالیسویں'' تک محدود کر لیا ہے۔

جس طرح حدیث شریف پیش ہو چکی کہ ہر جمعہ کو والدین کی قبروں کی زیارت کرنے والا نیک لکھا جاتا ہے۔ گویا ہر ہفتے والدین کو ایصالِ ثواب کرنے پر یہ بشارت ہے۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہر ہفتے خواہ جمعرات ہو یا جمعہ، اپنے مرحوم عزیزوں کے ایصالِ ثواب کا ضرور اہتمام کریں۔

یہ بھی خیال رہے کہ قرآن خوانی کے لیے مدرسہ کے طلباء کو بلانا ضروری نہیں، بلکہ گھر والے خود ہی تلاوتِ قرآن کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔

علماء کرام نے احادیث کی بناء پر بعض دنوں کو دوسرے دنوں پر فضیلت دی ہے۔
''جمعرات'' کی فضیلت پر چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

غیب بتانے والے آقا کریم ﷺ نے فرمایا، جو مسلمان جمعہ کو یا جمعہ کی رات کو فوت ہو جائے، اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنہ سے بچا لیتا ہے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ باب الجمعہ)

یعنی جمعہ اور شبِ جمعہ کی برکت سے وہ قبر کے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔اس کی شرح میں محدث علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دعا کے قبول ہونے میں زمانہ کی فضیلت وشرف بڑی تاثیر رکھتے ہیں جیسا کہ مکان کی فضیلت کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے''۔(مرقاۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آقا ومولیٰ ﷺ ہر پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے تھے۔جانِ کائنات رحمتِ عالم ﷺ کا فرمانِ ذی شان ہے،''ہر پیر اور جمعرات کو بندوں کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے جاتے ہیں۔ مجھے یہ پسند ہے کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میں روزہ دار ہوں''۔(ترمذی ابواب الصوم)

آقا ومولیٰ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے، پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنے والے ہر شخص کی مغفرت کر دی جاتی ہے سوائے ان کے جو آپس میں عداوت رکھیں، ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یہانتک کہ صلح کر لیں۔(صحیح مسلم باب الحب فی اللہ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک جمعرات کی خاص فضیلت ہے۔اسی بنا پر علماء کرام نے جمعرات کو میت کے ایصالِ ثواب کے لیے عبادات ودعا کا خاص اہتمام کیا ہے اور اسے مستحسن فرمایا ہے۔

سوئم اور چھلم کی اصل:

مفکرِ اسلام پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری حفظہ اللہ اپنی کتاب ''خواتین اور دینی مسائل''میں رقمطراز ہیں،

انوارِ ساطعہ میں ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے تیسرے، ساتویں اور چالیسویں دن اور سال بعد بھی صدقہ دیا۔علماء کرام نے اس سے سوئم، چہلم اور برسی کی اصل بیان کی ہے۔

محدث علی قاری رحمہ اللہ فتاویٰ اوزجندی میں لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بیٹے حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ کے وصال کے تیسرے دن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی میں کھجور اور دودھ جس میں جو کی روٹی تھی، لیکر حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے اس پر فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھی۔ پھر فرمایا، اسے لوگوں میں تقسیم کردو۔ (تصحیح العقائد: ۱۲۷)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سوئم کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہما اللہ اپنے ملفوظات میں صفحہ ۸۰ پر لکھتے ہیں،

''تیسرے دن لوگوں کا اسقدر ہجوم تھا کہ شمار نہیں ہوسکتا۔ اکیاسی (۸۱) قرآن کریم تلاوت کیے گئے، اور زیادہ بھی ہوئے ہونگے، کلمہ طیبہ کا تو اندازہ ہی نہیں''۔

معلوم ہوا کہ تیجہ، دسواں اور چالیسواں وغیرہ مسلمانوں میں صدیوں سے رائج ہیں۔ ان دنوں کی تخصیص کو کوئی شرعی نہیں سمجھتا، اور نہ ہی کوئی یہ کہتا ہے کہ بس اسی دن اور تاریخ کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو پہنچے گا ورنہ نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تلاوت اور خیرات وغیرہ کا سلسلہ تو میت کے انتقال کے وقت سے ہی شروع ہوجاتا ہے۔

چونکہ شرعاً تعزیت کا وقت تین دن تک ہے۔ اس لیے تعزیت کے آخری دن یعنی تیسرے دن لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہوکر تلاوتِ قرآن اور کلمہ طیبہ پڑھ کر میّت کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ دن کا تعین کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ مقررہ تاریخ اور وقت پر لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اس طرح سب لوگ اجتماعی دعامیں شریک ہوجاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں،

''تیسرے دن کی خصوصیت بھی شرعی اور عرفی مصلحتوں کی بنا پر ہے......شریعت میں تو ثواب پہنچانا ہے، دوسرے دن ہوخواہ تیسرے دن، جب چاہیں ایصالِ ثواب کریں......البتہ یہ ضروری ہے کہ میت کا کھانا صرف فقراء میں تقسیم کیا جائے، غنی لوگ

اس میں سے نہ لیں۔

باقی جو بیہودہ باتیں لوگوں نے نکالی ہیں مثلاً اس میں شادی کے سے تکلف کرنا، عمدہ عمدہ فرش بچھانا وغیرہ بیجا باتیں ہیں۔اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن ہی پہنچتا ہے یا اس دن زیادہ پہنچے گا دوسرے دنوں میں کم، تو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔اسی طرح سوئم کے لیے چنوں کا ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی چنے بانٹنے کے سبب کوئی برائی پیدا ہوتی ہے''۔(فتاویٰ رضویہ ج۹:۵۹۴)

ایک اور سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں،''جاہل عوام نے ایصالِ ثواب کے باب میں جو ناپسندیدہ اُمور پیدا کر لیے ہیں جیسے نمائش، ناموری، مفاخرت، مالداروں کو جمع کرنا، محتاجوں کو منع کرنا۔اور یہ کہ سوئم میں ایک جماعت اکٹھا بیٹھتی ہے اور سب کے سب بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن سننے کا فرض ترک کرتے ہیں، یہ سب ممنوع و ناروا، مکروہ اور بُرا ہے۔علماء کو چاہیے کہ ان زائد مفاسد پر سرزنش کریں نہ یہ کہ بے لگامی اور زبان درازی سے اصل عمل ہی کو ختم کرڈالیں''۔

معلوم ہوا کہ کسی نیک عمل کے ساتھ کوئی بری بات شامل ہو جائے تو اُس برائی کو ختم کرنا چاہیے نہ یہ کہ نیک عمل ہی چھوڑ دیا جائے۔

''چالیس'' کے عدد کو بھی خاص فضیلت حاصل ہے۔رب تعالیٰ کا ارشاد ہے،

﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً﴾

''اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا''۔(البقرہ:۵۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر آپ کو تورات عطا کی گئی۔تفسیر روح البیان میں ہے کہ بیشک چالیس کو ایک خصوصیت حاصل ہے اسی وجہ سے اکثر انبیاءکرام پر چالیس سال کی عمر میں وحی نازل ہوئی اور انہوں نے نبوت کا اعلان کیا۔اولیاء کرام بھی چالیس دن دنیا سے الگ ہو کر چلہ کشی کرتے

ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ''جو چالیس صبح اخلاص سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں''۔

یہ بھی حدیث شریف ہے کہ ''جو چالیس حدیثیں یاد کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے فقیہ کے درجہ میں اُٹھائے گا''۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

قرآن وحدیث کے ان اسرار ورموز کی بنا پر علماء نے میت کے لیے چالیس دن تک تلاوتِ قرآن، کلمہ طیبہ، درود شریف اور صدقہ وخیرات کی ترغیب دی ہے جو یقیناً گناہگاروں کی مغفرت کا ذریعہ اور نیکوں کے درجات کی بلندی کا وسیلہ ہوتا ہے۔ نیز پڑھنے والے بھی دل کے تزکیہ اور روحانیت سے آشنا ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں چالیسویں دن مسلمانوں کا اجتماع میت کے لیے دعائیں کرتا ہے اور رب کریم کی رحمتوں سے فیضیاب ہوتا ہے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تاریخ کے تعین کے متعلق فرماتے ہیں،

''یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو، اُس وقت وہ یاد آ جاتا ہے اور ضرور ہو رہتا ہے۔ اور نہیں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں، کبھی خیال بھی نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں''۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ: ٦)

ایک ضروری تنبیہ:

آج کل مالدار لوگ اپنے کسی عزیز کے ایصالِ ثواب کے لیے ''رسمِ قُل'' یا ''رسمِ چہلم'' کے عنوان سے اخبار میں اشتہار دیتے ہیں۔ شرعی طور پر ایک مستحب کام کو محض ''رسم'' کہنا جائز نہیں کیونکہ رسم تو فیشن اور دنیاوی رواج کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ سوئم اور چہلم عبادات کا مجموعہ ہیں اور قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں ایصالِ ثواب کے مستحب طریقے ہیں، اس لیے انہیں ''رسم'' کہنا جائز نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ انہیں ''محفل برائے ایصالِ ثواب'' کہا جائے۔

کلمہ طیبہ پڑھنے کی حکمت:

میت کے ایصالِ ثواب کے لیے تلاوتِ قرآن کریم کے علاوہ ستر ہزار بار یا اس سے بھی زائد کلمہ طیبہ پڑھا جاتا ہے۔اس کی اصل کے بارے میں محدث علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

شیخِ اکبر امام محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پہنچی تھی کہ جو شخص ستر ہزار بار کلمۂ طیبہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھتا ہے، اس کی مغفرت ہوتی ہے اور جس کے لیے پڑھا جائے، اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

میں نے اتنی بار کلمہ طیبہ پڑھا تھا مگر کسی کے لیے خاص نیت نہ کی تھی۔ میں بعض احباب کے ساتھ ایک دعوت میں گیا۔ وہاں ایک ایسا جوان بھی تھا جس کے کشف کی شہرت تھی۔ وہ کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا تو بولا، میں اپنی والدہ کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔

میں نے اپنے دل میں ستر ہزار کلمہ کا ثواب اُس جوان کی والدہ کو بخش دیا۔ فوراً وہ جوان خوش نظر آنے لگا اور بولا، میں اب اسے جنت میں دیکھتا ہوں۔ امام ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں نے اِس حدیث کی صحت اُس جوان کے کشف سے پہچانی اور اُس جوان کے کشف کی صحت، اِس حدیث کی صحت سے جان لی''۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، فتاویٰ رضویہ)

ایسا ہی واقعہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے حوالے سے مولوی قاسم نانوتوی صاحب، بانی مدرسہ دیوبند نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھا ہے۔

کھانے پر فاتحہ پڑھنا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بعض صحابہ کے ایمان کی اور ان کے مال خرچ کرنے کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا،

﴿ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبٰتٍ عِندَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ﴾

''اور جو خرچ کریں، اُسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں۔ ہاں ہاں وہ اُن کے لیے باعثِ قرب ہے، اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا''۔(التوبۃ:۹۹، کنزالایمان)

قرآن مجید میں ایمان والوں کی یہ شان بیان ہوئی ہے کہ وہ راہِ خدا میں جو مال خرچ کرتے ہیں وہ اسے اللہ تعالیٰ کا قرب پانے اور آقا و مولیٰ ﷺ کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔اور رب کریم کی طرف سے ان سعادت مندوں کے لیے قربت اور رحمت کی خوشخبری ہے۔

الحمدللہ! اہلسنت آج بھی صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جو مال بھی خرچ کرتے ہیں، قربِ الٰہی کے لیے کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ جب ہم خرچ کرتے ہیں تو شاھد و شھید رسول ﷺ اسے دیکھتے ہیں، اس کے گواہ ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے اُمتیوں کو رحمت و برکت کی دعاؤں سے نوازتے ہیں۔

یہی فاتحہ کی اصل ہے کہ صدقہ کے ساتھ دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔لہٰذا فاتحہ کو بدعت و ناروا بتانا قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔(تفسیر خزائن العرفان)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں، مسلمان کے انتقال کے بعد قرآن مجید کی تلاوت یا کلمہ شریف اور درود شریف کی قرات اور دوسرے اعمالِ صالحہ یا کھانے کپڑے وغیرہ (صدقہ کرنے) کا جو ثواب پہنچایا جاتا ہے، اسے عُرف میں فاتحہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔

فاتحہ کے وقت لوگوں کا جمع ہونا جائز و مستحب ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب قرآن کریم کی تلاوت ختم کرتے تو اپنے اہل وعیال کو جمع کرتے اور پھر ان کے

لیے دعا فرماتے۔(سنن الدارمی، معجم الکبیر)

دوسری روایت میں ہے،﴿وَالدُّعَاءُ یُسْتَجَابُ عِنْدَ خَتْمِ الْقُرْآن﴾
''ختمِ قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے''۔(الاتقان ج۱:۲۹۸)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ختمِ قرآن کے وقت جمع ہوجاتے تھے۔اورآپ نے فرمایا،ختم قرآن کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔
(تفسیر قرطبی،الاتقان فی علوم القرآن ج۱:۲۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جب ختمِ قرآن کے وقت آخری سورت) ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ تلاوت فرماتے تو پھر سے سورۃ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ سے افتتاح کرتے اورسورۃ البقرہ سے ﴿اُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾تک تلاوت کرتے۔پھرختمِ قرآن کی دعا مانگتے، پھرمجلس سے اٹھتے۔(سنن الدارمی،الاتقان فی علوم القرآن ج۱:۳۰۰)

معلوم ہوا کہ ختمِ قرآن کے وقت چاروں قل،سورۃ فاتحہ اورسورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات پڑھنے کی اصل یہ حدیث ہے۔امام دارمی رحمہ اللہ نے اس کی سند کوحَسَن قرار دیا ہے۔مذکورہ سورتیں پڑھنے اور دعا مانگنے کو''فاتحہ'' اوربعض لوگ ''ختم شریف'' بھی کہتے ہیں۔

کھانے کا سامنے رکھنا:

فاتحہ یا ایصالِ ثواب کے لیے کھانے پینے کی اشیاء کا سامنے ہونا ضروری نہیں البتہ یہ جائزاوربہتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانورکی قربانی کر کے اسکے سامنے یہ دعا فرمائی،''اے اللہ!اسے میری امت کی طرف سے قبول فرما''۔(مسلم،ترمذی،ابوداؤد)

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا حرام ہے۔

(معاذَ اللہ) حالانکہ کھانا سامنے رکھ کر کچھ آیات پڑھنا اور دعائے برکت کرنا متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے۔غزوہ تبوک کے دن نبی کریم ﷺ نے کھانے پر برکت کی دعا فرمائی جس کی برکت سے وہ قلیل طعام تمام لشکر والوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور اپنے اپنے برتن بھی بھر لیے۔(صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھا اور دعا فرمائی۔جس کی برکت سے تھوڑا سا کھانا ستر (۷۰) یا اَسی (۸۰) صحابہ نے کھایا اور اس میں سے کچھ کم نہ ہوا۔(بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے چند کھجوروں پر دعائے برکت فرمائی۔ وہ چند کھجوریں میں نے توشہ دان میں ڈال لیں۔اس میں سے تقریباً چھ من کھجوریں راہِ خدا میں دیں، اور ہم کھاتے کھلاتے بھی رہے۔ یہانتک کہ وہ توشہ دان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن مجھ سے جدا کر دیا گیا۔(ترمذی، مشکوٰۃ)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ کھانا سامنے رکھ کر تلاوت کرنا اور دعا مانگنا بلاشبہ جائز و مستحب ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فاتحہ کی چیز خود بھی کھانی چاہیے اور دوسرے مومنوں کو بھی کھلانی چاہیے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہوا،

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ﴾

''تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اُس کی آیتیں مانتے ہو''۔

(الانعام:۱۱۸)

اس آیت میں واضح حکم موجود ہے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے، اسے کھاؤ، اگر تمہارا قرآن پر ایمان ہے۔ اگر کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھانا مومن ہونے کی علامت ہے تو جس کھانے پر اللہ کا کلام، قرآن مجید پڑھا جائے، اسے کھانا ایمان کا کس قدر اعلیٰ درجہ ہوگا۔

آپ بتائیے کہ فاتحہ میں کیا پڑھا جاتا ہے؟ کیا چاروں قُل اور سورہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا حرام ہو جاتا ہے؟ مسلم شریف میں ہے کہ جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، اسے شیطان اپنے لیے حلال سمجھتا ہے یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھانا پینا چاہیے۔

حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھنے سے شیطان اس کھانے کو حلال نہیں سمجھتا اور قرآن کریم سے معلوم ہوا جس کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے وہ کافر نہیں کھاتے۔ اب نتیجہ یہ ہوگا کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانے کو حرام سمجھنا اور اسے نہ کھانا کافروں اور شیطان کا طریقہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا برکت والا ہو جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاویٰ کی جلد اول صفحہ ۷۱ پر فرماتے ہیں، ''نیاز کا وہ کھانا جس کا ثواب امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل اور درود شریف پڑھا جائے تو وہ کھانا برکت والا ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے''۔

کیا ہندوؤں سے مشابہت ہے؟

ایک صاحب کہنے لگے، ''کھانے پر فاتحہ پڑھنا ہندوؤں سے مشابہت کی وجہ سے حرام ہے کیونکہ وہ بھی اپنے مردے کو ثواب پہنچانے کے لیے کھانا پکاتے ہیں پھر پنڈت کو بلا کر اس سے وید پڑھواتے ہیں۔ مسلمان بھی یہی کرتے ہیں''۔ (معاذ اللہ)

کس قدر بیبا کی اور خوفِ خدا سے محرومی کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت شدہ فعل کو ہندوؤں سے مشابہہ قرار دیا جا رہا ہے۔ مجھے بتائیے کہ کیا ہندو قیامت اور ثواب پر ایمان رکھتے ہیں؟ کیا ہندوؤں کا وید پڑھنا مسلمانوں کے قرآن مجید پڑھنے کی مثل ہو سکتا ہے؟ ہر ذی شعور ان سوالوں کے جواب خوب جانتا ہے۔ مگر بُرا ہو تعصب کا جو انسان کو ایمان اور عقل دونوں سے محروم کر دیتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ ہندو اپنے مردے جلا دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک مرنے

والوں کو زندوں سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ جبکہ مسلمان اپنے مردے نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر سلام کرتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک انہیں برزخی حیات حاصل ہوتی ہے۔ ہندو اپنے کھانے پر وید کا کلام پڑھتے ہیں جبکہ ہم مسلمان اپنے کھانے پر اللہ کا کلام پڑھتے ہیں۔ یقیناً یہ ہندوؤں کی مشابہت نہیں بلکہ سراسر مخالفت ہے۔

قرآن کریم سے مثال لیجیے۔ مشرکینِ مکہ اپنے جانور ذبح کرتے وقت بتوں کا نام لیتے تھے۔ ان کی مخالفت کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا کرو۔ اُس دور میں بھی کوئی متعصب اور تنگ نظر ہوتا تو فتویٰ لگاتا، ''کافر جانور ذبح کرتے ہیں تم بھی ذبح کرتے ہو لہٰذا کافروں سے مشابہت کی وجہ سے جانور حرام ہے''۔ حق یہی ہے کہ جیسے بت کے نام کی جگہ اللہ کا نام لینا کفار کی مخالفت ہے اسی طرح کھانے پر وید کی بجائے اللہ کا کلام پڑھنا کفار کی مخالفت ہے۔

کیا ثواب تقسیم ہو کر ملتا ہے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿وَ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ﴾

''اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو''۔ (محمد: ۱۹، کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت کو یہ اعزاز عطا کیا ہے کہ اُس نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے خاصوں اور عام مسلمانوں کی مغفرت کے لیے دعا مانگیں جبکہ بارگاہِ الٰہی میں حضور ﷺ کی شفاعت یقیناً مقبول ہے۔ (تفسیر مظہری)

گویا اللہ تعالیٰ ہم گناہگاروں کو بخشنا چاہتا ہے لیکن اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ ''تم اِن کی مغفرت کی دعا کرو تاکہ یہ جان لیں کہ اے حبیب ﷺ! مغفرت کے حصول کے لیے یہ تیرے لبوں کی حرکت کے محتاج ہیں''۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ رب کریم نے مغفرت کی دعا میں خاصوں کے ساتھ تمام مسلمانوں کو بھی شامل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔اس کی ایک حکمت یہ ہے، تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ دعا اگرچہ ایک ہو مگر اس میں ساری امت بھی شامل کر لی جائے تو رب کی رحمت تقسیم ہو کر کم نہیں ہو جاتی بلکہ سب پر یکساں نازل ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غیب بتانے والے آقا و مولیٰ رحمتِ عالم نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا،

﴿مَا عَلٰی اَحَدِکُمْ اِذَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ تَطَوُّعًا فَیَجْعَلُهَا عَنْ اَبَوَیْهِ فَیَکُوْنُ لَهُمَا اَجْرُهَا وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ﴾

جب کوئی اپنے والدین کی طرف سے نفلی صدقہ کرتا ہے تو اس کا پورا ثواب اس کے والدین کو ملتا ہے اور اس صدقہ کرنے والے کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔(طبرانی فی المعجم الاوسط، ہیثمی فی مجمع الزوائد)

معلوم ہوا کہ عبادات کا ثواب مُردوں کو پہنچا دینے سے ایصالِ ثواب کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا، یہ نہیں کہ وہی ثواب تقسیم ہو کر سب کو ٹکڑا ٹکڑا ملے۔

﴿اَلْاَفْضَلُ لِمَنْ یَّتَصَدَّقُ نَفْلاً اَنْ یَّنْوِیَ لِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِاَنَّهَا تَصِلُ اِلَیْهِمْ وَلَا یَنْقُصُ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ. وَهُوَ مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ﴾

ایصالِ ثواب کرنے والے کے لیے افضل ہے کہ وہ تمام مومنین اور مومنات کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے، اس طرح سب کو ثواب پہنچ جائے گا اور ایصالِ ثواب کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی بھی نہ ہو گی۔یہی اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے۔(علامہ ابن عابدین شامی فی ردالمحتار ج ۲:۲۴۳)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں فرماتے ہیں،

بلکہ امید یہ ہے کہ اس ثواب پہنچانے والے کو ان سب کے مجموعے کے برابر ثواب ملے۔ مثلاً کوئی نیک کام کیا جس کا ثواب کم از کم دس ملے گا۔ اس نے اس کا ثواب دس مُردوں کو بخش دیا تو ہر ایک کو دس دس ملیں گے اور اس کو ایک سو دس۔ اور اگر ہزار کو پہنچایا تو اسے دس ہزار دس۔ (فتاویٰ رضویہ)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اگر ایک کی روح کے لیے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو دعا میں شریک کر لے تو سب کو برابر ثواب پہنچے گا اور جس کی نیت سے صدقہ کیا، اس کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ ﴿اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ﴾ ''بیشک تیرا رب وسیع مغفرت والا ہے''۔

(مکتوبات جلد سوم مکتوب بست و ہشتم)

حضرت حماد مکی رحمہ اللہ نے فرمایا، میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا۔ نیند کا غلبہ ہوا تو ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں قبرستان والوں کو دیکھا کہ حلقے بنائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا، کیا قیامت قائم ہوگئی؟ ان لوگوں نے کہا، نہیں۔ بات یہ ہے کہ ہمارے بھائیوں میں سے ایک شخص نے سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا تھا، ایک سال سے ہم اس کا ثواب بانٹ رہے ہیں۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)

معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب سے گنہگاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکوں کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے خود بھی اپنی امت کے گناہگاروں کے لیے دعائیں مانگیں اور اپنے امتیوں کو بھی دوسرے مسلمانوں کے لیے مغفرت مانگنے کی تلقین فرمائی۔ ان دعاؤں کی برکت ملاحظہ فرمائیے۔

غیب بتانے والے آقا و مولیٰ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا،

﴿اُمَّتِی اُمَّۃٌ مَرْحُوْمَۃٌ تَدْخُلُ قُبُوْرَھَا بِذُنُوْبِھَا وَتَخْرُجُ مِنْ قُبُوْرِھَا لاَ ذُنُوْبِھَا عَلَیْھَا تَمْحَصُّ عَنْھَا بِاِسْتِغْفَارِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

''میری امت امتِ مرحومہ ہے۔ یہ اپنی قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوگی اور جب قبروں سے نکلے گی تو مومنوں کے اِستغفار کی وجہ سے گناہوں کے بغیر ہوگی''۔(تفسیر مظہری،طبرانی فی الاوسط،شرح الصدور)

ایک نصیحت انگیز واقعہ:

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، پہلے فقیر کا یہ طریقہ تھا کہ جب کھانا پکواتا تو حضور ﷺ،سیدہ فاطمہ،سیدنا علی اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو شامل کرتا۔ایک رات خواب میں دیکھا کہ آقا ومولیٰ ﷺ تشریف فرماہیں۔فقیر ان پر سلام عرض کرتا ہے مگر وہ توجہ نہیں فرماتے بلکہ چہرۂ اقدس دوسری طرف پھیر لیتے ہیں اور فرماتے ہیں، میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں، جو مجھے کھانا بھیجے وہ عائشہ کے گھر میں بھیجے۔(رضی اللہ عنہا)

اسی وقت فقیر نے سمجھا کہ حضور ﷺ کے توجہ نہ فرمانے کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس کھانے کی دعا میں شریک نہیں کرتا تھا۔اس کے بعد سے فقیر حضرت صدیقہ کو بلکہ تمام ازواجِ مطہرات کو جوکہ سب کی سب اہلبیت کرام ہیں، دعا میں شریک کرنے لگا اور تمام اہلبیت اطہار رضی اللہ عنہم کے ساتھ توسل کرنے لگا۔

(مکتوبات جلد دوم مکتوب ۳۶)

اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو پنج تن پاک کی ''محبت'' کی آڑ میں جان بوجھ کر ازواجِ مطہرات اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت ومحبت سے منہ موڑتے ہیں۔

تعزیت اور فاتحہ:

عموماً جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو دفن سے پہلے لوگ میت کے گھر جمع ہونا شروع

ہو جاتے ہیں۔ یقیناً اس مشکل وقت میں میت کے گھر والوں کو بعض مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے جو میت کے غسل اور کفن دفن کے انتظام میں حصہ لیں نیز لواحقین کے لیے صبر اور حوصلہ بڑھانے کا سبب بنیں۔

بلند آواز سے رونا، سینہ پر ہاتھ مارنا، بَین کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بغیر آواز کے آنسو بہانا یا ہلکی آواز میں رونا جائز ہے۔ جب حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ حالتِ نزع میں تھے تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔

آپ نے فرمایا، یہ اللہ کی رحمت ہے۔ آنکھ سے آنسو بہتے ہیں، دل بے چین ہے اس کے باوجود ہم یہی کہیں گے کہ جس میں ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراھیم! ہم تمہاری جدائی سے غمگین ہیں۔ (بخاری، مسلم)

دفن کے بعد تعزیت زیادہ بہتر ہے مگر لواحقین کو صدمہ زیادہ ہو تو دفن سے پہلے بھی تعزیت کی جاسکتی ہے۔ تعزیت کا وقت وفات سے تین دن تک ہے۔ البتہ جس سے تعزیت کرنی ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو بعد میں بھی تعزیت جائز ہے۔

تعزیت کے لیے بندہ یہ کہے، ''اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کرے، اس کے گناہ معاف فرمائے اور اسے اپنی رحمت سے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صبر عطا فرمائے اور اس صبر پر اجر عطا فرمائے''۔

اکثر لوگ اس موقع پر میت کے لیے ایصالِ ثواب کو جائز نہیں سمجھتے۔ ان کے خیال میں دفن سے پہلے فاتحہ یا تلاوتِ قرآن جائز نہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ پچھلے صفحات میں حدیث شریف پیش کی گئی کہ زندہ کو بھی ایصالِ ثواب جائز ہے تو پھر ایصالِ ثواب کے لیے دفن کی شرط کہاں سے آ گئی۔ لہٰذا تمام لوگ جو وہاں جمع ہوں، انہیں چاہیے کہ فارغ نہ بیٹھے رہیں بلکہ جس قدر ممکن ہو سکے، اللہ تعالیٰ کا ذکر، کلمہ طیبہ، درود شریف یا سورۃ فاتحہ وغیرہ پڑھتے رہیں۔ کتب میں مذکور ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ

رضی اللہ عنہ کے دفن سے پہلے سینکڑوں بار قرآن کریم پڑھا گیا۔

کچھ لوگ تعزیت کے لیے دعا کرنا یا فاتحہ پڑھنا درست نہیں سمجھتے۔ حالانکہ حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت میں ہے کہ:

﴿فَلَبِثُوْا بِذٰلِکَ یَوْمَیْنِ اَوْ ثَلاثَۃً ثُمَّ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَھُوَ جُلُوْسٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزِ ابْنِ مَالِکٍ قَالَ فَقَالُوْا غَفَرَ اللّٰہُ لِمَاعِزِ ابْنِ مَالِکٍ﴾

''ہم ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی تعزیت پر دو یا تین دن بیٹھے رہے۔ پھر رسولِ معظم ﷺ تشریف لائے اور صحابہ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ سلام کرنے کے بعد بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا، ماعز بن مالک کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔ صحابہ نے دعا کی، اے اللہ! ماعز بن مالک کی مغفرت فرما''۔ (صحیح مسلم کتاب الحدود)

اس سے معلوم ہوا کہ میت کی تعزیت کے لیے لوگوں کا آنا اور میت کے لیے دعا کرنا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت ہے۔

بعض لوگ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانے کو اچھا نہیں سمجھتے۔ حالانکہ آقا و مولیٰ ﷺ دعا کے دوران اپنے ہاتھ سینے کے مقابل اٹھاتے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو کندھوں کے برابر کر لیتے تھے۔ (مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانے کی حکمت آقا کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی،

﴿اِنَّ رَبَّکُمْ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَّسْتَحْیِ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ اِلَیْہِ اَنْ یَّرُدَّھُمَا صِفْرًا﴾

''بیشک تمہارا رب حیا والا ہے (جو اُس کی شان کے لائق ہے)، کریم ہے۔ جب بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کو اپنے بندے سے حیا آتی ہے کہ وہ اس کے ہاتھوں کو خالی واپس کر دے''۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

عام طور پر میت کے لیے دعا کرتے وقت سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ الاخلاص پڑھی جاتی ہے۔سورۃ فاتحہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورۃ ''اُمُّ القرآن''یعنی قرآن کی اصل قرار دی گئی ہے اور اس سورت کا ایک نام ''سورۃُ الدُّ عاءُ'' بھی ہے۔ نیز اسے پڑھنے کا ثواب دوتہائی قرآن کریم کی تلاوت کے برابر ہے۔اس بناء پر ایصالِ ثواب کے لیے عموماً یہ سورت پڑھی جاتی ہے۔

اسی طرح بخاری اور مسلم میں ہے کہ ''سورۃ الاخلاص پڑھنے کا ثواب تہائی قرآن کریم کے برابر ہے''۔ چنانچہ تین بار سورۃ اخلاص پڑھ لی جاتی ہے تا کہ ایک قرآن کریم کی تلاوت کے برابر ثواب حاصل ہو۔اور پھر چند منٹ میں اتنا عظیم اجر وثواب حاصل کر کے مرحوم کی روح کو پہنچایا جائے ،یقیناً یہ زندوں کی طرف سے اپنے مرحوم مسلمان کے لیے عظیم تحفہ ہے۔

طعامِ میّت کے مسائل:

اُستاذی ومرشدی علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم القدسیہ سے سوال کیا گیا: کسی مسلمان کے انتقال پر جو عزیز و اقارب یا اہلِ محلّہ جمع ہوتے ہیں، انہیں میت کے گھر سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اسکا کیا حکم ہے؟

آپ نے جواب میں اپنی کتاب ''خواتین اور دینی مسائل'' میں تحریر فرمایا، اس موضوع پر مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہٗ نے فتاویٰ رضویہ میں نہایت جامع گفتگو فرمائی ہے اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں عرض کرتا ہوں۔کسی مسلمان کے انتقال پر اسکے یہاں جو عزیز و اقارب اور محلے والے جمع ہوتے ہیں انکے لیے میّت کے اہلِ خانہ کا کھانے پینے کا انتظام کرنا جائز نہیں۔

اس کی چار وجوہات ہیں:

اول: دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم کے موقع پر۔ نیز اہلِ میت کو غم والم

کے باعث کھانے کا اہتمام کرنا دشوار ہوتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان اہلِ میت کے یہاں ٹھہرے رہنے اور دعوتِ طعام کو میت کے لیے نوحہ کی مثل سمجھتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں موجود ہیں۔

دوم: اگر ورثاء میں سے کوئی نابالغ ہے تو اسکا مال خرچ کرنے کا اختیار کسی کو نہیں اور اگر کوئی وارث موجود نہیں تو اسکے مال میں بغیر اسکی اجازت تصرف کرنا جائز نہیں لہٰذا کوئی بالغ اپنے ذاتی مال سے خرچ کرے یا ترکہ سے کرے جبکہ سب ورثاء بالغ موجود اور راضی ہوں۔

سوم: وہاں عزیزوں کی عورتیں جمع ہوتی ہیں جو اکثر ناجائز کام کرتی ہیں مثلاً چلا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا وغیرہ یہ سب نوحہ کرنا ہے جو کہ حرام ہے۔ ایسے مجمع کے لیے میت کے عزیزوں کا بھی کھانا بھیجنا جائز نہیں۔

چہارم: اکثر لوگوں کو اس بری رسم کے باعث جاہلوں کے طعنوں سے بچنے کے لیے اپنی طاقت سے زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے اور وہ اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بعض اسکے لیے قرض لیتے ہیں۔ ایسا تکلف تو شریعت کو مباح کام کے لیے بھی پسند نہیں چہ جائیکہ ایک ممنوع رسم کے لیے ایسا کیا جائے۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ ایسی بری رسوم کو جن سے ان کے دین اور دنیا دونوں کا نقصان ہے، فوراً چھوڑ دیں اور بیہودہ طعنوں کا ہرگز خیال نہ کریں۔

صرف ایک دن یعنی پہلے روز ہی عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور بہ اصرار انہیں کھلائیں مگر یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے لیے ہونا سنت ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد نہم صفحہ ۶۶۱ تا ۶۷۳، ملخصاً)

دُور دراز سے آئے ہوئے رشتہ داروں کے لیے کھانے کا اہتمام کرنا جائز ہے،

خواہ رشتہ دار یا پڑوسی کریں یا اہلِ میت کریں۔ رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے لیے میت کے گھر والوں کے کھانے کا اہتمام کرنا اس حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آلِ جعفر کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کو وہ حادثہ پیش آیا ہے جو کھانے پکانے سے روک دیتا ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

فاتحہ کا کھانا کون کھا سکتا ھے:

میت کے گھر سے تعزیت کے دنوں میں کسی غنی کے لیے شرعی عذر کے بغیر کھانا جائز نہیں جیسا کہ پہلے مسائل بیان ہوئے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کی نیت سے جو کھانا پکایا جائے، اچھا ہے۔ وہ کھانا فقراء کو کھلانا بھی صدقہ ہے اور اغنیاء کو کھلانا بھی ثواب کا باعث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ہر زندہ جگر کے ساتھ بھلائی میں ثواب ہے یعنی زندہ کو کھانا کھلانا، پانی پلانا ثواب ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے جبکہ رشتہ دار کو صدقہ دینا دوہرا ثواب ہے، ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔

(ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ باب افضل الصدقہ)

جمعرات یا دسواں یا چہلم وغیرہ کا کھانا بھی مساکین کو کھلانا بہتر ہے، اور افضل یہ ہے کہ دینی مدرسہ کے طلباء کو کھلائے کہ اس میں دوگنا ثواب ہے۔ ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا اور دوسرا قرآن سیکھنے والوں کی اعانت کا۔ میت کے لواحقین اگر دکھاوے اور نام و نمود کے لیے بطور دعوت کھانا کھلائیں تو یہ ناجائز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد بھی کچھ مال باقی رہے، اور ان لوگوں سے صدقہ کی ابتدا کرو جن کی تم کفالت کرتے ہو۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ)

رحمتِ عالم ﷺ کا ایک اور فرمانِ ذی شان ہے، جو مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کے لیے خرچ کرتا ہے، وہ اُس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب افضل الصدقہ)

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، جو کچھ تو اپنی بیوی کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔ جو کچھ تو اپنے بچوں کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔ جو کچھ تو اپنے خادم کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔ جو کچھ تو خود کھائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔

(اسے امام احمد نے مُسند میں اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں صحیح سند سے روایت کیا)

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مالداروں کو کھانا کھلانے میں کوئی ثواب نہیں، یہ غلط ہے۔ اگر ایصالِ ثواب کی محفل میں مالدار بھی آجائیں تو انہیں کھلانے میں اس بناء پر بھی ثواب ہے کہ وہ دوسروں کی طرح مہمان ہیں۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا احترام کرے۔

(بخاری، مسلم)

فقہاء فرماتے ہیں کہ غنی کے لیے واجب صدقہ حلال نہیں مگر نفل صدقہ حلال ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا، کیا ہم اپنے شوہروں کو صدقہ دے سکتی ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں! تمہیں دو اجر ملیں گے، ایک صلہ رحمی کا، دوسرا صدقہ کا۔ (بخاری، مسلم، باب افضل الصدقہ)

قبر میں تبرکات سے برکت لینا:

میت کو آبِ زمزم سے دُھلا ہوا کفن پہنانا، قبر میں غلافِ کعبہ کا ٹکڑا یا جبلِ اُحد کا کنکر یا شجرہ طیبہ یا کوئی اور تبرک رکھنا جائز ہے۔

حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسولِ معظم ﷺ کی بیٹی سیدہ زینب

رضی اللہ عنہا کا وصال ہوگیا اور ہم انہیں غسل دے چکے تو آپ ﷺ نے اپنا تہبند مبارک دیا اور فرمایا، اسے کفن میں جسم سے ملا کر رکھ دو۔ (بخاری کتاب الجنائز)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صالحین کے لباس اور تبرکات سے قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا۔ (اشعۃ اللمعات)

ایک عورت نے بارگاہِ نبوی میں ایک چادر پیش کی۔ آپ نے قبول کی۔ پھر آپ اسے بطور تہبند پہن کر تشریف لائے۔ ایک صحابی نے وہ چادر مانگ لی۔ حضور ﷺ واپس تشریف لے گئے اور وہ چادر اسے بھجوا دی۔ صحابہ نے اسے کہا، تم نے اچھا نہیں کیا۔ اُس صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا،

﴿اِنِّیۡ وَاللّٰہِ مَا سَاَلۡتُہٗ لِاَلۡبَسَہٗ اِنَّمَا سَاَلۡتُہٗ لِتَکُوۡنَ کَفَنِیۡ. قَالَ سَہۡلٌ فَکَانَتۡ کَفَنَہٗ﴾

''اللہ کی قسم! میں نے اس چادر کو پہننے کے لیے نہیں مانگا۔ میں نے تو صرف اس لیے یہ چادر مانگی ہے تا کہ یہ میرا کفن بنے''۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، واقعی وہ چادر اس کا کفن بنی۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

نبی کریم ﷺ نے اپنی چچی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کو اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں لیٹ کر یہ دعا فرمائی،

''اے اللہ! میری چچی کو بخش دے، انہیں ان کی دلیل سکھا دے۔

﴿وَوَسِّعۡ عَلَیۡہَا مَدۡخَلَہَا بِحَقِّ نَبِیِّکَ وَالۡاَنۡبِیَاءِ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِیۡ﴾

اور اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے حق کے سبب انکی قبر کشادہ فرما دے''۔

اسے امام طبرانی نے کبیر میں جید سند کے ساتھ روایت کیا۔ حافظ ابن حبان، امام حاکم اور امام ہیثمی رحمہم اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا۔ (مجمع الزوائد ج۹: ۲۵۷)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال یہ وصیت کی کہ ''مجھے کفن میں آقا کریم

ﷺ کا کرتہ پہنا کر آپ کی چادر مبارک میں لپیٹ دیا جائے، میرے منہ اور اعضائے سجدہ پر حضور ﷺ کے موئے مبارک اور ناخن مبارک کے تراشے رکھ دیے جائیں اور مجھے اَرحَمُ الرَّاحِمین کے سپرد کر دیا جائے"۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صالحین کے تبرکات سے وفات کے بعد بھی قبر میں فائدہ ہوتا ہے۔

قبر پر پانی چھڑکنا:

دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کا طریقہ ہے اور مستحب ہے۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا۔(ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب دفن المیت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿رُشَّ قَبرُ النَّبِیِّ ﷺ﴾ آقا و مولیٰ ﷺ کی قبر اطہر پر پانی چھڑکا گیا۔ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ نے مشکیزہ کے ذریعہ سرہانے سے پانی چھڑکنا شروع کیا اور قدم مبارک تک آئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، مشکوٰۃ باب دفن المیت)

محدث علی قاری رحمہ اللہ پانی چھڑکنے کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں،

"علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانی چھڑکنے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رب کریم کی مہربانیوں کے نزول کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی میت کے لیے ایک دعا میں ہے،" اے اللہ! اس کے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو دے"۔

مزید رقمطراز ہیں، ابن الملک نے کہا کہ جب بارش نہ ہو تو قبر پر ٹھنڈا صاف پانی چھڑکنا سنت ہے۔ یہ اس بات کی نیک فال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خوابگاہ ٹھنڈی کرے۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

گویا قبر پر پانی چھڑکنا بارگاہِ الٰہی میں ایک طرح کی دعا ہے اور میت کے لیے دیگر دعاؤں کی طرح اس کا بھی ثواب ہے۔

قبر پر ذکرِ الٰھی اور دعا کرنا:

میت کے دفن کے بعد قبر پر تھوڑی دیر ٹھہرنا، ذکرِ الٰہی اور دعا کرنا سنت ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا و مولیٰ ﷺ جب کسی میت کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور یہ ارشاد فرماتے،

﴿اِسۡتَغۡفِرُوۡا لِاَخِیۡکُمۡ ثُمَّ سَلُوۡا لَهٗ بِالتَّثۡبِیۡتِ فَاِنَّهُ الۡآنَ یُسۡئَلُ﴾

اپنے اس مسلمان بھائی کے لیے مغفرت مانگو اور اس کے لیے (نکیرین کے سوالوں کے جواب میں) ثابت قدمی کی دعا مانگو، کیونکہ اب اس سے سوالات کیے جائیں گے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الجنائز، مشکوٰۃ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو مستدرک میں صحیح سند سے روایت کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیٹی کو دفن کرتے وقت دعا کی،

﴿اَللّٰهُمَّ اَجِرۡهَا مِنَ الشَّیۡطَانِ وَمِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ﴾

''الٰہی! اسے شیطان اور قبر کے عذاب سے بچا''۔

اور جب مٹی برابر کر چکے تو پھر یہ دعا کی، ''اے اللہ! اس کی قبر کو دونوں طرف سے پھیلا دے، اس کی روح کو بلند فرما اور اس سے رضا مندی کے ساتھ ملاقات فرما''۔ پھر فرمایا، میں نے یہ دعا رسول کریم ﷺ سے سنی ہے۔ (ابن ماجہ، سنن بیہقی)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ پھر انہیں دفن کر کے مٹی ڈال دی گئی تو آقا و مولیٰ ﷺ نے تسبیحات پڑھیں اور ہم نے بھی طویل تسبیحات پڑھیں۔ پھر حضور ﷺ نے تکبیر پڑھی تو ہم نے بھی تکبیر پڑھی۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ کے تسبیح اور تکبیر پڑھنے کی وجہ کیا ہے؟

غیب بتانے والے رسول ﷺ نے جواب میں فرمایا،

﴿لَقَدُ تَضَایَقَ عَلٰی هٰذَا الْعَبُدِ الصَّالِحِ قَبُرُهٗ حَتّٰی فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ﴾

اس نیک بندے پراس کی قبر تنگ ہوگئی تھی یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے (تسبیحات کی برکت سے) اس کی قبر کو کشادہ فرمادیا۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وہ عظیم صحابی ہیں جن کے متعلق رسولِ معظم ﷺ کا ارشاد ہے، یہ وہ ہیں جن کے لیے عرشِ الٰہی نے حرکت کی (یعنی خوشی سے جھوما)، اوران کے لیے آسمان (جنت) کے دروازے کھول دیے گئے، اوران کے جنازے میں ستّر ہزار فرشتے حاضر ہوئے۔ بیشک پہلے ان کی قبر تنگ ہوگئی تھی پھر اسے کشادہ فرمادیا گیا۔

(نسائی، مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

یہ بھی یادرہے کہ یہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد اسلام قبول کرلیا تھا۔ آقا کریم ﷺ نے انہیں "سیدُ الانصار" کا لقب دیا تھا۔ جب اتنی بلند شان والے صحابی پر قبر تنگ ہوسکتی ہے تو ہم جیسے گناہگاروں کا کیا حال ہوگا جو روز وشب، اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانیوں میں مبتلا ہیں۔

پھر اس پر مزید افسوس اور تعجب یہ کہ بندہ ایصالِ ثواب اوران ذرائع (تلاوتِ قرآن، کلمہ طیبہ، دعا اور صدقہ) کا منکر ہوجائے جن کی وجہ سے قبر کی تنگی دور ہوتی ہے اور گناہگار بخشے جاتے ہیں۔

جو وفات کے بعد اپنی مغفرت چاہے وہ خود بھی نیک کام کرے اور اپنی اولاد کو بھی صحیح العقیدہ نیک بنائے اور ایصالِ ثواب کی تعلیم دے۔

میت کو تلقین کرنا:

دفن کے بعد قبر کے پاس کچھ دیر ٹھہرنا اور مُردہ کو تلقین کرنا مستحب ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے، جب تمہارا مسلمان بھائی فوت ہوجائے اور تم اسے دفن

کر چکو تو تم میں سے ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے، اے فلاں بن فلانہ۔ وہ سنے گا مگر جواب نہ دے گا۔ پھر کہے، اے فلاں بن فلانہ۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا، پھر کہے، اے فلاں بن فلانہ۔ وہ کہے گا، مجھے تلقین کر، اللہ تجھ پر رحم فرمائے گا۔ مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوتی۔ پھر یوں کہے،

﴿اُذْكُرْ مَا خَرَجْتَ عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا شَهَادَةَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَاَنَّكَ رَضِيْتَ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا، وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا، وَبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا﴾

''تو اُس عقیدہ کو یاد کر جس پر تو دنیا سے رخصت ہوا یعنی یہ گواہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا''۔

یہ سن کر نکیرین کہیں گے، یہاں سے چلو، ہم اس کے پاس کیا کریں گے جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔ اس پر کسی نے حضور ﷺ سے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو تو؟ فرمایا، ''پھر اُسے اماں حوا کی طرف منسوب کرو یعنی کہو! اے فلاں ابنِ حوا''۔

(معجم الکبیر للطبرانی ج ۸ ص ۲۴۹، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۲ ص ۳۲۴)

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس حدیث کی اسناد صالح ہیں اور ضیاء مقدسی نے اسے احکام میں قوی قرار دیا ہے۔

قبر پر اذان دینا:

صحابیٔ رسول، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا،

﴿فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِیْ فَشَنُّوْا عَلَیَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِیْمُوْا حَوْلَ قَبْرِیْ قَدْرَ

مَا تُنۡحَرُ جُزُوۡرٌ وَیُقۡسَمُ لَحۡمُھَا حَتّٰی اسۡتَاۡنِسَ بِکُمۡ وَاَنۡظُرَ مَا ذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّیۡ ﴾ (صحیح مسلم کتاب الایمان)

''جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر مٹی ڈال کر وہاں اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ تمہارے قرب سے مجھے اُنس ملے اور میں دیکھوں کہ میں اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں''۔

ثابت ہوا کہ مُردہ قبر کے پاس موجود لوگوں سے مانوس اور خوش ہوتا ہے۔حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسی لیے یہ وصیت فرمائی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

﴿لَقِّنُوۡا مَوۡتَاکُمۡ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ﴾ (مسلم،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

''اپنے مُردوں کو ﴿لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ﴾ سکھاؤ۔

پچھلے صفحات میں قبر پر ذکرِ الٰہی کرنے،میت کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا اور میت کو تلقین کرنے کا مسنون طریقہ تحریر ہوا۔حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا بار بار سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہنا مذکور ہوا۔علماء فرماتے ہیں،اگر قبر پر دفن کے بعد اذان کہہ دی جائے تو مذکورہ تمام احکامات پر عمل بھی ہو جاتا ہے اور مزید فائدہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔

اذان میں ''اللہ اکبر'' کا کلمہ کئی بار آیا ہے۔﴿مَنۡ رَّبُّکَ﴾ کا جواب اذان میں ہے،﴿اَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه﴾ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں''۔اور ﴿مَا کُنۡتَ تَقُوۡلُ فِیۡ هٰذَا الرَّجُل﴾ کا جواب ﴿اَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰه﴾ سننے سے یاد آئے گا کہ ''میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول جانتا تھا''۔

﴿حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الۡفَلاَحِ﴾ میں ﴿مَا دِیۡنُکَ﴾ کا جواب موجود ہے۔یعنی میرا دین وہ ہے جس میں نماز ستون ہے۔گویا اذان میں تینوں سوالوں کے جواب بھی ہو گئے،تکبیرات بھی ہو گئیں اور ذکرِ الٰہی بھی ہو گیا۔

امام حکیم ترمذی نوادرُ الاصول میں سفیان ثوری رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ اسی لیے حکم ہوا کہ میت کے لیے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بخاری و مسلم میں ہے کہ اذان سنتے ہی شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ شیطان اذان سن کر چھتیس میل دور بھاگ جاتا ہے۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب شیطان کا خطرہ ہو تو اذان کہو تا کہ وہ دفع ہو۔ (احمد، طبرانی)

وہ وقت شیطان کی مداخلت کا ہے اور شیطان اذان سے بھاگتا ہے۔ اس لیے قبر پر دفن کے بعد اذان کہنے کو فقہاء نے مستحب فرمایا ہے۔

قبر پر پھول ڈالنا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گذر دو قبروں کے پاس سے ہوا۔ آپ نے فرمایا، ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں، ان میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ ﴿ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَطْبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَۃً فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَا لَمْ یَیْبَسَا﴾

پھر آپ ﷺ نے کھجور کی ایک سبز شاخ لی اور اسے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر ہر قبر پر ایک ایک شاخ گاڑ دی۔ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا، جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی، سبزے کی تسبیح سے ان کے عذاب میں کمی ہوتی رہے گی۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ درخت کی شاخ جب تک تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح بیان کرتی ہے، اسی بناء پر عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں پیشاب کے چھینٹوں سے احتیاط کرنی چاہیے۔

اس حدیث سے علماء نے قبر کے پاس قرآن پڑھنا مستحب قرار دیا کیونکہ جب ٹہنیوں کی تسبیح سے عذاب میں کمی ہوتی ہے تو تلاوتِ قرآن سے ضرور عذاب میں کمی ہوگی۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

﴿وَاَوْصَی بُرَیْدَةُ الْاَسْلَمِیُّ اَنْ یُّجْعَلَ فِیْ قَبْرِهٖ جَرِیْدَانِ﴾

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ میری قبر پر کھجور کی ٹہنیاں رکھی جائیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

ان احادیث کی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ قبروں پر سبزہ، پھول اور خوشبو ڈالنا مستحب ہے۔ مزارات پر پھول اس لیے ڈالے جاتے ہیں کہ جو اعمال گناہگاروں کے لیے عذاب میں کمی کا باعث ہیں وہ صالحین کے لیے درجات کی بلندی کا سبب ہیں۔

قبروں کی زیارت:

جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، ''قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت یاد دلاتی ہیں''۔ (مسلم، مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا کرتی ہیں''۔ (ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)

ان احادیث کے تحت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری حفظہ اللہ رقمطراز ہیں،

''قبروں کی زیارت کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان کو اپنی موت یاد آتی ہے جس سے آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے اور وہ برائیوں کو چھوڑ کر نیکیوں کی طرف راغب ہونے لگتا

ہے۔اگر فکرِ آخرت کے ساتھ بار بار قبروں کی زیارت کی جائے تو یقیناً اس کے اثرات انسانی زندگی پر ظاہر ہوتے ہیں اور وہ رفتہ رفتہ دنیا سے بے رغبت ہو کر راہِ حق پر گامزن ہو جاتا ہے''۔(مزاراتِ اولیاء اور توسل:۱۴)

زیارتِ قبور مستحب ہے۔ ہر ہفتہ میں ایک دن زیارت کرے۔اولیاء کرام کے مزاراتِ طیبہ پر سفر کر کے جانا جائز ہے، وہ اپنے زائر کو نفع پہنچاتے ہیں۔

زیارتِ قبور کا طریقہ یہ ہے کہ پاؤں کی طرف سے جا کر میت کے منہ کے سامنے کھڑا ہو۔ سرہانے کی طرف سے نہ آئے کہ میت کے لیے باعثِ تکلیف ہے یعنی میت کو گردن پھیر کر دیکھنا پڑے گا کہ کون آتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،''قبروں کی زیارت کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ تلاوتِ قرآن، ذکر الٰہی اور دعا کی کثرت کرے، میت کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے۔زیارت بار بار کرنا مستحب ہے۔ اور اولیاء کرام کی قبروں کے پاس زیادہ دیر ٹھہرنا چاہیے''۔(کتاب الاذکار باب مایقولہ زائر القبور)

قبرستان میں کیا پڑھیں:

نامور محدث علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،''بیشک ہر شہر اور ہر زمانہ میں مسلمان فوت شدہ مسلمانوں کے لیے قرآن کریم پڑھتے چلے آ رہے ہیں اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، اس پر امت کا اجماع ہے۔......زائر کے لیے مستحب ہے کہ وہ جتنا ہو سکے، تلاوت کرے پھر قبور والوں کے لیے دعا کرے''۔(مرقاۃ ج۴:۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،''جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے روک نہ رکھو بلکہ اسے دفن کرنے میں جلدی کرو۔ دفن کے بعد اس کے سر کی جانب سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پاؤں کی جانب سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھو''۔(طبرانی فی معجم الکبیر، بیہقی فی شعب الایمان)

سرکارِ دوعالم ﷺ کا فرمان ہے، ﴿فَاقْرَءُ وْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ﴾ اپنے مُردوں کے پاس سورہ یٰسٓ پڑھو۔ (شعب الایمان، مشکوٰۃ باب فضائل القرآن)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس ارشاد کا ایک مفہوم یہ ہے کہ تم مسلمان کی موت کے وقت اس کے پاس سورہ یٰسٓ پڑھو اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تم میت کی قبر پر سورہ یٰسٓ پڑھو۔ (شرح الصدور، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا، جو شخص قبرستان جائے اور وہاں سورۃ یٰسٓ تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ قبر والوں کے عذاب میں کمی کر دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو قبرستان جائے اور وہاں جا کر سورۃ فاتحہ، سورۃ الاخلاص اور سورۃ التکاثر پڑھے اور ان کا ثواب اس قبرستان کے مسلمانوں کو بخشے، تو قیامت کے دن یہ تمام لوگ بارگاہِ الٰہی میں اس کی شفاعت کریں گے۔ (ایضاً)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو قبرستان سے گزرے اور گیارہ بار قُلْ هُوَ اللّٰه پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو پہنچائے تو اسے مُردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔ اس حدیث کو امام عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں روایت کیا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم قبرستان جاؤ تو سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر ان کا ثواب قبر والوں کو پہنچاؤ کیونکہ انہیں ثواب پہنچتا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

ایصالِ ثواب کا طریقہ:

جب کوئی قبرستان جائے تو الحمد شریف اور الٓمٓ سے مُفْلِحُوْنَ تک، اور آیۃ الکرسی، اور اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر سورت تک، اور سورہ یٰسٓ اور سورۃ الملک اور سورۃ التکاثر ایک ایک بار اور قُلْ هُوَ اللّٰه بارہ یا گیارہ یا سات یا تین بار پڑھے اور ان کا ثواب مُردوں کو یوں پہنچائے، ”اے اللہ! جو کچھ میں نے پڑھا، اس کا ثواب فلاں کو یا

ان سب لوگوں کو پہنچا''۔(بہارِ شریعت ج ا:۸۴۹، دُرِّ مختار، ردالمختار)

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انصار صحابہ اس بات کو مستحب جانتے تھے کہ میت کے پاس کھڑے ہوکر قرآن کریم کی سورتیں تلاوت کی جائیں۔ انصار کا معمول تھا کہ جب ان کا کوئی عزیز فوت ہوجاتا تو وہ اس کی قبر پر جاکر قرآن کریم تلاوت کرتے تھے۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، شرح الصدور)

امام سفیان بن عُیینہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ جس طرح زندوں کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ مُردوں کو دعا کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ابن رجب حنبلی فی اھوال القبور:۱۳۲)

انسان کے دو یادگار دن:

ہر انسان کی زندگی میں تین دن خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ارشادِ ربانی ہے،

﴿وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا﴾

''اور سلامتی ہے اُس پر جس دن پیدا ہوا، اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائے گا''۔(مریم:۱۵، کنزالایمان)

اسی سورت کی آیت ۳۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے۔

﴿وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَيَوۡمَ اَمُوۡتُ وَيَوۡمَ اُبۡعَثُ حَيًّا﴾

''اور وہی سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میں مروں اور جس دن زندہ اُٹھایا جاؤں''۔

تیسرا دن تو سب انسانوں کے لیے ایک ہی ہے یعنی قیامت کا دن۔ البتہ لوگوں کی پیدائش اور وفات کے دن مختلف ہوتے ہیں۔ پیدائش کا دن بندے کو خود یاد رکھنا چاہیے تاکہ بندہ ہر سال اپنی پیدائش کے دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اپنے کرم سے مجھے اس دنیا میں وجود بخشا اور زندگی عطا کی۔ اور اسی دن یہ جائزہ بھی لے

کہ جس مقصد کے لیے اس نے مجھے پیدا کیا، میں اس مقصد کو پورا کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔

دوسرا دن جو بندے کی وفات کا دن ہے، اس کا آنا یقینی ہوتا ہے لیکن بندہ خود سے یہ نہیں جان سکتا کہ وہ دن کب آئے گا۔ بس بندے کو اس دن کے آنے کی فکر ضرور کرنی چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ (الانبیاء:۳۵)

''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں برائی اور بھلائی سے، جانچنے کو۔ اور ہماری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے''۔ (کنز الایمان)

بندے کی وفات کا دن اس کے لواحقین یعنی گھر والوں، عزیزوں اور دوستوں کو ضرور یاد رکھنا چاہیے۔ یہی دن اولیاء اللہ کے لیے ''عرس'' کا دن کہلاتا ہے جس پر ہم اگلے صفحات میں تفصیل عرض کریں گے۔ جو لوگ اپنے مرحوم عزیز سے زیادہ محبت رکھتے ہیں وہ تو ہر ماہ بلکہ ہر ہفتے بلکہ ہر روز اپنے مرحوم عزیز کے لیے سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

مگر جن کی محبت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیاوی مصروفیات کے سبب دھندلی ہوتی جاتی ہے ان کے لیے یقیناً غنیمت ہے کہ وہ مرحوم کی برسی کے نام پر یا کسی ولی اللہ کے عرس کے عنوان سے ہی سہی، سال میں ایک بار کچھ وقت نکال کر قرآن کریم کی کچھ سورتیں تلاوت کر کے ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور مرحوم کی روح کو اس مادی دنیا سے ایک روحانی و نورانی تحفہ بھیجنے کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں۔

عرس مبارک:

عرس کے لغوی معنی ''شادی'' کے ہیں اور مشائخِ طریقت کی اصطلاح میں اولیاء

کرام کے یومِ وصال کوعرس کا دن کہتے ہیں۔عرس کا لفظ اس حدیث پاک سے ماخوذ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، صالح مومن جب نکیرین کے سوالوں کے صحیح جواب دے دیتا ہے تو اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے اور اس کی قبر کو نور سے روشن کردیا جاتا ہے پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں،

﴿ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ الَّذِىْ لاَ يُوْقِظُهٗ اِلاَّ اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ ﴾

''تو اُس دلہن کی طرح سوجا، جسے اس کا محبوب ہی جگاتا ہے''۔

(ترمذی، مشکوٰۃ باب اِثبات عذاب القبر)

چونکہ اس دن ان کو''عروس'' کہا گیا (جو دولہا اور دلہن دونوں کے لیے بولا جاتا ہے) اس لیے ان کے وصال کے دن کو''عرس'' کا دن کہا جاتا ہے۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وصال کے بعد قبر میں آقا و مولیٰ ﷺ کا دیدارِ پُر انوار نصیب ہوتا ہے اس لیے محبوبِ حقیقی کے دیدار کے باعث وہ خوشی اور شادی کا دن قرار پاتا ہے اس نسبت سے بھی اسے عرس کا دن کہتے ہیں۔

عرس کی حقیقت ہے،''کسی ولی کے وصال کے دن اسکے مزار کی زیارت کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت، درس و وعظ اور صدقات کا ثواب اسے پہنچانا''۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک رسولِ معظم ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے اور آپ نے اُحد کے شہداء پر یوں دعا مانگی جیسے آپ میت پر دعا مانگتے تھے، پھر آپ نے صحابہ سے خطاب فرمایا۔(صحیح بخاری کتاب الجنائز، ملخصاً)

مزار پر جانا، وہاں دعا کرنا اور لوگوں کو وعظ کہنا، یہ عرس کے اجزاء ہیں۔ذہن میں رہے کہ تلاوتِ قرآن سے زیادہ اجر درسِ قرآن کا ہے،اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

امام بخاری و امام مسلم کے استاد امام ابن ابی شیبہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے کہ نبی مکرم رحمتِ عالم ﷺ ہر سال کے آخر پر شہدائے احد کے مزارات پر جاتے اور انہیں

سلام کرتے۔ خلفائے راشدین کا بھی یہی معمول تھا۔

(تفسیر کبیر، تفسیر ابن جریر، تفسیر دُرِّ منثور، مصنف عبدالرزاق، عمدۃ القاری)

یہی عرس کی اصل ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''بہت سے لوگ جمع ہوں اور قرآن کریم تلاوت کریں پھر شیرینی یا کھانے پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین میں تقسیم کر دیں۔ یہ طریقہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مروج نہ تھا لیکن اگر کوئی کرے تو کوئی حرج نہیں کہ زندوں سے مُردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے''۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۳۸)

عرس کا دن مقرر کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں،

''عرس کا دن اس لیے مقرر ہے کہ وہ ان کے وصال کو یاد دلاتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جائے، اچھا ہے''۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۴۹)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''ایسا عرس جس میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو، شرکیہ امور اور فسق و فجور کا ارتکاب نہ ہو، کھیل تماشے اور رقص و سرود و موسیقی نہ ہو، جائز و درست ہے کیونکہ محفلِ عرس کا مقصد تو ایصالِ ثواب، فاتحہ و قرآن خوانی ہے''۔

(موہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ص ۵، ملخصاً)

گیارھویں شریف:

حضرت غوثِ اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، نعت خوانی، ذکرِ الٰہی اور طعام و شیرینی کی تقسیم پر مشتمل محفل جو عموماً کسی بھی دن اور خصوصاً چاند کی گیارہ تاریخ کو منعقد ہوتی ہے، اسے گیارھویں شریف کہتے ہیں۔ اس کی اصل ایصالِ ثواب ہے جو کہ قرآن و سنت سے ثابت ہے

اس حوالے سے پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت غوث پاک ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو یعنی بارھویں شب میں آقا و مولیٰ ﷺ کے ایصالِ ثواب کی محفل منعقد کیا کرتے تھے۔ یہی محفل بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوکر ''گیارھویں شریف'' کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اگرچہ آپ کے وصال کی اصل تاریخ ۱۷ ربیع الثانی ہے لیکن اسی نسبت سے آپ کا عرس اسلامی ماہ کی کسی بھی تاریخ کو ہو، اسے گیارھویں شریف کہتے ہیں۔

غیر خدا کی نسبت:

بعض لوگ کہتے ہیں، کھانے پینے کی چیزوں کی نسبت غیر خدا کی طرف کرنے سے وہ حرام ہو جاتی ہیں اس لیے گیارھویں شریف کا کھانا حرام ہے۔ (معاذ اللہ)

ایک صاحب کہنے لگے، گیارھویں حرام ہے۔ قرآن میں ہے، ﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ ہر وہ چیز حرام ہے جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ (البقرۃ:۱۷۳)

میں نے عرض کی، اگر یہ ترجمہ کیا جائے تو پھر کوئی چیز حلال نہ رہے گی۔ یہ مکان کس کا ہے؟ آپ کہیں گے، فلاں کا۔ غیر خدا کا نام لیا اور مکان حرام۔ یہ گاڑی کس کی ہے؟ یہ بچے کس کے ہیں؟ یہ کپڑا کس کا ہے؟ یہ مسجد کون سی ہے؟ عموماً مساجد کے نام انبیاء، صحابہ اور اولیاء کے ناموں پر ہوتے ہیں۔ آپ کے ترجمے کے مطابق تو جس چیز پر غیر خدا کا نام لیا جائے، وہ حرام ہو جائے گی۔

وہ بولے، پھر صحیح ترجمہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی،

''وہ جانور حرام جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا''۔

تفسیر جلالین میں ہے، اھلال کے معنی ''آواز بلند کرنا'' ہیں۔ مشرکین اپنے باطل معبودوں کے لیے ذبح کرنے کے وقت آواز بلند کرتے تھے۔ اسی طرح تمام مستند تفاسیر میں ہے کہ مشرکین ذبح کے وقت بتوں کے نام لیتے تھے، اسے حرام فرما دیا

گیا۔ (ابن جریر، قرطبی، کبیر، مدارک، ابن کثیر، خازن، ابی السعود)

غرض یہ کہ گیارھویں شریف تلاوت وعبادات پر مبنی ہوتی ہے اور ان عبادات کا ثواب سیدنا غوثِ اعظم رحمہ اللہ کی روح کو پہنچایا جاتا ہے، یہ جائز و مستحب ہے۔

احادیث میں ہے، حضور ﷺ نے قربانی کا جانور ذبح کر کے فرمایا، اے اللہ! اسے میری طرف سے، میری آل اور امت کی طرف سے قبول فرما۔ (مسلم)

قربانی کے جانوروں کی نسبت تو لوگوں ہی کی طرف کی جاتی ہے کہ یہ فلاں کا جانور ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پہلے مذکور ہو چکا کہ انہوں نے کنواں کھدوا کر فرمایا، ﴿ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعَد ﴾ یہ کنواں اُمِ سعد کے لیے ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شے کو کسی زندہ یا فوت شدہ ہستی کی طرف منسوب کرنا نہ تو گناہ ہے اور نہ ہی اس سے وہ شے حرام ہوتی ہے۔ جیسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنوئیں کو اپنی والدہ کی طرف منسوب کیا، اسی طرح ہم گیارھویں شریف کو سرکار غوثِ اعظم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ کھانے پینے کی چیزوں پر غیر خدا کا نام لینے سے وہ حرام نہیں ہوتیں۔

جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حلال فرمائی، اسے حرام کہنا اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ وہ جانور جن کا گوشت اور دودھ، اللہ نے حلال کیا، مشرکین اپنی من گھڑت باتوں سے حرام کر لیتے ہیں۔ بحیرہ، سائبہ، وصلیہ اور حام ان جانوروں کے نام ہیں جو مشرکین بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۢ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَاحَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾

"اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔ ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں، اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں"۔ (المائدہ:۱۰۳)

غور فرمایئے کہ جب بتوں کے نام منسوب کیے ہوئے حلال جانور محض مشرکوں کے کہنے سے حرام نہیں ہو سکتے تو پھر صالحین کے ایصالِ ثواب کے لیے ان کے نام منسوب کیا ہوا کھانا گمراہوں کے کہنے سے کیسے حرام ہو سکتا ہے؟؟ مزید ارشاد ہوا،

﴿وَمَالَكُمْ اَلَّا تَأْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ﴾

''اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ وہ تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا، مگر جب تمہیں اس سے مجبوری ہو۔ اور بے شک بہت سے لوگ اپنی خواہشوں سے گمراہ کرتے ہیں بغیر علم کے، بیشک تیرا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے''۔ (الانعام:۱۱۹)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ حرام چیزوں کا ذکر تفصیل سے فرما چکا۔ کچھ لوگ ہیں جو محض اپنی خواہش سے بغیر علم کے حلال چیزوں کو حرام کہہ کر مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اس کی واضح مثال گیارھویں شریف، کھانے پر فاتحہ پڑھنے اور ایصالِ ثواب کو حرام کہنا ہے۔ کسی چیز کو حرام کہنے کے لیے واضح حکم درکار ہے اور جس چیز کی حرمت یا کراہت کا واضح حکم نہ ہو، وہ مباح یعنی جائز ہے۔

گیارھویں دن کا تعین:

اہلسنت گیارھویں شریف کو فرض یا واجب نہیں سمجھتے جبکہ اس کے مستحب ہونے پر کافی دلائل موجود ہیں۔ اب جو اسے حرام کہے، اُس پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کی کوئی آیت یا کوئی صحیح حدیثِ متواتر پیش کرے جس میں واضح طور پر موجود ہو کہ گیارھویں، سوئم، چہلم وغیرہ حرام ہیں کیونکہ حرمت کے ثبوت کے لیے حرمت کا واضح حکم درکار ہے اور بغیر شرعی دلیل کے تو کسی چیز کو مکروہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

وہ جب کوئی معقول جواب نہیں دے پاتے تو کہتے ہیں، ''اصل میں دن کا تعین حرام ہے''۔ پہلے احادیث پیش ہو چکیں کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام بھی بعض امور کے لیے دنوں کا تعین فرماتے تھے۔ اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ اہلسنت کے نزدیک سوئم، چہلم، گیارھویں شریف وغیرہ کے لیے دنوں کا تعین شرعی نہیں، عادی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ اپنی اور لوگوں کی آسانی کے لحاظ سے سوئم اور چہلم، تیسرے اور چالیسویں دن سے پہلے یا بعد میں بھی کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اکثر مساجد میں گیارھویں شریف چاند کی گیارہ تاریخ کی بجائے کسی اور تاریخ کو منعقد کر لی جاتی ہے۔ کیونکہ اصل تو ایصالِ ثواب ہے اور وہ ہر دن اور ہر تاریخ کو جائز ہے۔

ایک غور طلب بات یہ ہے کہ ہم تو بعض تاریخوں میں عرف اور عادت کے اعتبار سے، جائز سمجھ کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رسولِ معظم ﷺ کی شریعت میں ہر دن اور ہر تاریخ کو ایصالِ ثواب جائز ہے۔ لیکن جو لوگ سوئم، چہلم، جمعرات، عرس اور گیارھویں کو حرام کہہ کر ان دنوں میں ایصالِ ثواب کو حرام قرار دیتے ہیں۔ گویا وہ مذکورہ دنوں میں ایصالِ ثواب کو حرام کہہ کر سال کے باقی دنوں میں ایصالِ ثواب کو جائز سمجھتے ہیں اور یقیناً یہ ان لوگوں کا شرعی تعین ہے۔

اگر ہم پر یہ الزام ہے کہ ہم نے سال کے چند دن ایصالِ ثواب کے لیے معین کر دیے تو کیا چند دنوں کو ایصالِ ثواب کے لیے حرام قرار دینا اور سال کے باقی تمام دنوں میں ایصالِ ثواب کو جائز سمجھنا، یہ بھی دن معین کرنا نہیں ہے؟؟ جبکہ ہمارا دن معین کرنا عادی ہے اور ان لوگوں کا دن معین کرنا شرعی۔ کسی قطعی دلیل کے بغیر ایسا کرنا کیا حد سے بڑھنا نہیں؟؟ اوپر مذکور آیت کا ترجمہ پھر پڑھ لیجیے۔

''اور بے شک بہت سے لوگ اپنی خواہشوں سے گمراہ کرتے ہیں بغیر علم کے، بیشک تیرا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے''۔ (الانعام: ۱۱۹)

گیارھویں شریف کی فضیلت:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''بیشک ہمارے شہروں میں سیدنا غوث اعظم کی گیارھویں شریف مشہور ہے اور یہی تاریخ اہلِ ہند میں سے آپ کی اولاد و مشائخ میں معروف ہے''۔ (ماثبت بالسُنۃ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اپنے ملفوظات میں حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کے روضہ مبارک پر گیارھویں شریف کی محفل کی تفصیل بیان کی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کے شیخ مرزا مظہر جانجاناں رحمہ اللہ کے ملفوظات اپنی کتاب کلماتِ طیبات میں جمع فرمائے ہیں، اس کا فارسی نسخہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۷۷ ملاحظہ ہو، وہ فرماتے ہیں،

''میں نے خواب دیکھا کہ ایک وسیع چبوترہ پر بہت سے اولیاء کرام مراقبہ میں ہیں جن میں خواجہ نقشبند اور جنید بغدادی رحمہما اللہ بھی تشریف فرما ہیں۔ پھر یہ حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے استقبال کو چل دیے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انکے ساتھ چادر اوڑھے، برہنہ پا ایک بزرگ بھی تھے جنکا ہاتھ تعظیم سے آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

پھر ایک صاف وشفاف حجرہ مبارک ظاہر ہوا جس پر نور کی بارش ہو رہی تھی، یہ تمام بزرگ اس میں داخل ہو گئے۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آج حضرت غوث الثقلین کا عرس یعنی گیارھویں شریف ہے اور یہ تمام بزرگ اس عرس کی تقریب میں تشریف لے گئے ہیں''۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ گیارھویں شریف اور اولیاء کرام کے اعراس مبارکہ صدیوں سے مسلمانوں کا معمول رہے ہیں۔

یہ اعتراض کہ ''ہم گیارھویں شریف کی طرح حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے لیے

ایصالِ ثواب نہیں کرتے'' نہایت لغو ہے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اہلِ سنت جب بھی کسی ولی اللہ یا اپنے کسی مرحوم عزیز کے لیے بھی فاتحہ دلاتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں ثواب کا نذرانہ پیش کرتے ہیں پھر دیگر انبیاء کرام، صحابہ کرام اور اہلِ بیت اطہار کی ارواحِ مقدسہ کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں پھر اولیاء کرام اور اپنے مرحوم عزیزوں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔

گیارھویں شریف یا نیاز فاتحہ کا کھانا تبرک ہوتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''نیاز کا وہ کھانا جس کا ثواب امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل اور درود شریف پڑھا جائے تو وہ کھانا برکت والا ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے''۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۷۱)

مجددِ دین و ملت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''وہ کھانا جو حضرات انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی ارواحِ طیبہ کو نذر کیا جاتا ہے اور امیر و غریب سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے یہ سب کو بلا تکلف رَوا ہے اور باعثِ برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اسمیں برکت آجاتی ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ)

عید میلادُ النبی ﷺ کا کھانا ہو یا گیارھویں شریف کا، دس محرم کی نیاز ہو یا شبِ برأت کا حلوہ، سب کی اصل ایصالِ ثواب ہے۔ مفتی سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''شبِ برأت میں سیدِ عالم ﷺ قبرستان بقیع میں تشریف لے جاتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نیکیوں کی کثرت اور مُردوں کو ثواب پہنچانا اس شب میں سنت ہے۔ طعام بھی نیکی ہے اور طعام میں جو لذیذ تر ہو اس کا خرچ کرنا اور بہتر''۔

رب تعالیٰ مجھ فقیر کی اس تحریر کو مقبول اور نافع بنائے، میرے والدین، اہل و عیال اور محسنین و معاونین کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ نیز ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی میں ''ایصالِ ثواب'' کی راہ پر قائم رکھے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ